الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

کوئی کسی کا چراغ نہیں بجھاتا ———
چراغ کے اندر تیل کی کمی اسے بجھا دیتی ہے۔

شمارہ ۲۲ | زر تعاون سالانہ ۲۴ روپے | قیمت فی پرچہ
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
ستمبر ۱۹۷۸ | بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی | دو روپے

زلزلۂ قیامت

از

مولانا وحید الدین خاں

مکتبہ الرسالہ

جمعیتہ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی 110006

سال اشاعت ۱۹۷۸

ناشر مکتبۃ الرسالہ
جمعیۃ بلڈنگ
قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

ایک شخص اپنے بچوں کے ساتھ باغ میں داخل ہوا۔ وہاں کیڑے مکوڑے تھے۔ چوہے اور چیونٹیاں تھیں۔ پھر سب کے بیچ میں ایک بھیانک بھیڑیا کھڑا ہوا تھا۔ اس منظر کو دیکھنے کے بعد اس کے منھ سے کیا چیخ نکلے گی۔ وہ بے ساختہ پکار اٹھے گا:

بچو! بھیڑیا۔ بچاؤ اپنے کو بھیڑیے سے۔ بھیڑیے کے بھیانک چہرے کو دیکھنے کے بعد وہ دوسری تمام چیزوں کو بھول جائے گا۔ اس کو ایسا نظر آئے گا گویا سارا باغ بھیڑیا بن گیا ہے۔ اس کے سامنے اس کے سوا کوئی مسئلہ نہ ہوگا کہ بھیڑیے سے بچنے کی تدبیر کرے۔

ہم جس دنیا میں ہیں، اس میں بھی بہت سے مسائل ہیں۔ ویسے ہی جیسے باغ میں کیڑے اور چیونٹیاں۔ مگر انھیں کے بیچ میں ایک سب سے بڑا مسئلہ کھڑا ہوا ہے۔ یہ آخرت کا مسئلہ ہے۔ اگر ہم اس کو جان لیں تو ہم کو پوری کائنات میں آخرت کے سوا کوئی دوسری چیز دکھائی نہ دے۔ اس کے بعد ہم آخرت کے لئے پکاریں گے، نہ کہ "کیڑوں اور چیونٹیوں" کے لئے

طابع جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"قرآن کو پڑھ کر بڑا ڈر لگنے لگتا ہے"، شری تیج پال سنگھ نے کہا "اس میں تو بس آگ کی اور جہنم کی باتیں ہیں"۔ یہ دہلی کے ایک تعلیم یافتہ غیر مسلم کے تاثرات ہیں۔ انھوں نے قرآن کا ہندی ترجمہ پڑھا تھا اور اس کے بعد دسمبر ۱۹۷۷ میں راقم الحروف سے مندرجہ بالا الفاظ کہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن میں سب سے زیادہ جس چیز کا بیان ہے، وہ آخرت کا عذاب ہی ہے۔ اسی کو قرآن کا مقصد نزول بتایا گیا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۔ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (شوریٰ ۷)

اور ہم نے عربی قرآن تمھارے اوپر اتارا تاکہ تو اس بڑی بستی اور اس کے آس پاس والوں کو خبردار کردے اور جمع ہونے کے دن سے ڈرا دے جس میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں۔

بار بار مختلف طریقوں سے انسان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ تمھارا اصل مسئلہ آخرت کا مسئلہ ہے۔ اس لئے وہاں کی پکڑ سے بچنے کی کوشش کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ (انعام - ۶)

اے ایمان والو اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن ہیں آدمی اور پتھر۔ اس پر سخت دل اور زور آور فرشتے مقرر ہیں۔

تمام انبیاء اسی لئے آئے کہ وہ لوگوں کو آنے والے دن کی چیتاونی دے دیں (انعام ۱۳۰)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس دعوت رسالت کا حکم دیا گیا، وہ قرآن کے الفاظ میں یہ تھی:

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ (مومن - ۱۸)

اور اس آنے والے دن سے ان کو ڈرا جب کہ کلیجے منھ کو آجائیں گے، غم سے بھرے ہوئے۔

قریش نے مکی دور میں اپنے ایک ہوشیار سردار عتبہ بن ربیعہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ وہ آپ سے گفتگو کرکے معلوم کرے کہ آپ کا پیغام کیا ہے۔ واپسی کے بعد عتبہ نے اپنے ساتھیوں کو جو رپورٹ دی اس کے الفاظ یہ تھے:

مافهمت شيئا مما قال غير انه انذركم صاعقة مثل صاعقة عاد وثمود

انھوں نے جو کچھ کہا اس سے میں اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھا کہ وہ تم لوگوں کو عاد و ثمود جیسے عذاب سے ڈراتے ہیں

اسی احساس کے تحت یہ کتابچہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کے تمام مضامین کا موضوع آخرت ہے۔ تاہم وہ معروف تصنیفی ترتیب کے مطابق تیار نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا انداز ترتیب شذرات یا خواطر کا سا ہے۔ اس کو جو چیز ایک مسلسل کتاب بناتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ہر صفحہ کا موضوع آخرت کی چیتاونی ہے۔ مختلف پہلوؤں سے اس سنگین مسئلہ کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے جو موت کے بعد آدمی کے سامنے آنے والا ہے

وحید الدین، ۱۵ مئی ۱۹۷۸

قال اللہ ، قال الرسول

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ جب ستارے بکھر جائیں گے۔ جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی۔ جب وحشی جانور اکھٹے ہو جائیں گے۔ جب دریا بھڑکائے جائیں گے۔ جب ایک ایک قسم کے لوگ اکھٹا کئے جائیں گے۔ جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی۔ جب اعمال نامے کھولے جائیں گے۔ جب آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا۔ جب دوزخ دہکائی جائے گی۔ جب جنت قریب لائی جائے گی۔ اس وقت ہر آدمی جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ (تکویر)

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ جب ستارے جھڑ جائیں گے۔ جب دریا بہہ پڑیں گے۔ جب قبریں کھول دی جائیں گی۔ اس وقت ہر شخص اپنے اگلے پچھلے اعمال کو جان لے گا۔ اے انسان تجھ کو کس چیز نے اپنے مہربان پروردگار کے متعلق بھول میں ڈال رکھا ہے۔ جس نے تجھ کو پیدا کیا۔ پھر تجھ کو درست کیا۔ پھر تجھ کو برابر کیا۔ اور جس صورت میں چاہا تم کو جوڑ دیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ تم انصاف ہونے کو جھوٹ جانتے ہو۔ حالانکہ تمھارے اوپر نگہبان مقرر ہیں۔ معزز لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے۔ اور یقیناً برے لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ انصاف کے دن اس میں داخل ہوں گے۔ وہ اس سے چھپ نہ سکیں گے۔ اور تم کو کیا خبر کہ وہ انصاف کا دن کیا ہے۔ اس دن کوئی کسی کا کچھ بھلا کرنے پر قادر نہ ہوگا۔ حکم اس روز صرف اللہ کا ہوگا (انفطار)

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ وہ اپنے رب کے فرمان کی تعمیل کرے گا اور یہی اسے واجب ہے۔ جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ اور جو کچھ اس کے اندر ہے باہر اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گی اور یہی اسے واجب ہے۔ اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔ پھر جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا۔ وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔ اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا، وہ موت کو پکارے گا۔ وہ بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا۔ وہ اپنے لوگوں میں خوش خوش رہتا تھا۔ اس نے گمان کر رکھا تھا کہ خدا کی طرف لوٹنا نہیں ہے۔ کیوں نہیں۔ اس کا رب اس کو خوب دیکھ رہا تھا۔ (انشقاق)

ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ آسمان میں چرچراہٹ ہو رہی ہے اور حق ہے کہ اس میں چرچراہٹ ہو۔ آسمان میں چار انگل جگہ بھی نہیں مگر ایک فرشتہ اپنی پیشانی جھکائے ہوئے اللہ کے لئے سجدہ میں پڑا ہوا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم وہ باتیں جانو جو میں جانتا ہوں تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ۔ عورتوں میں تمھارے لئے لذت باقی نہ رہے۔ تم خدا کو پکارتے ہوئے میدانوں کی طرف نکل جاؤ۔ (ترمذی)

اسلام کا مطلب کیا ہے

اسلام کا مطلب ہے اپنے آپ کو خدا کے آگے سپرد (SURRENDER) کر دینا مسلمان وہ ہے جو اس بات پر یقین رکھتا ہو کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے۔ وہ مرنے کے بعد ہر ایک سے اس کے کارنامہ زندگی کا حساب لے گا۔ اس کے بعد اپنے وفادار بندوں کے لئے دائمی جنت کا فیصلہ کرے گا، اور غیر وفادار بندوں کو دائمی جہنم میں ڈال دے گا۔ اس احساس کے تحت جو زندگی بنتی ہے، اس کو ایک لفظ میں آخرت رخی زندگی (AKHIRAT ORIENTED LIFE) کہہ سکتے ہیں۔

یہ احساس جب کسی دل میں پیدا ہو جائے تو اس کی پوری زندگی بدل جاتی ہے۔ وہ ہر وقت خدا سے ڈرنے لگتا ہے۔ کیوں کہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ خدا اس کو کھلے اور چھپے ہر حال میں دیکھ رہا ہے، بندوں سے معاملہ کرتے ہوئے وہ ہمیشہ انصاف اور خیر خواہی کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ ہر انسان کے پیچھے اس کا خدا کھڑا ہوا ہے۔ وہ کبھی اس بات کو نہیں بھولتا کہ بالآخر وہی چیز صحیح قرار پائے گی جس کو خدا صحیح کہے اور وہ سب کچھ غلط ٹھہرے گا جس کو خدا غلط ٹھہرائے۔

اسی کے ساتھ مسلمان کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ زندگی کی اس حقیقت کو دوسری تمام قوموں تک پہنچائے۔ اس سنگین واقعہ سے لوگوں کو باخبر کرنے کے لئے پہلے انبیاء آتے تھے۔ ختم نبوت کے بعد یہ ذمہ داری نبی آخر الزماں کی امت پر ڈال دی گئی ہے، مسلمان پر جس طرح خود عمل کرنے کی ذمہ داری ہے، اسی طرح دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری ہے۔ ان میں سے کوئی ایک کام، دوسرے کام کے لئے خدا کے یہاں عذر نہیں بن سکتا۔

قیامت کا زلزلہ بڑا ہولناک ہے

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ

لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے۔ جس روز تم اس کو دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے اس بچہ کو بھول جائے گی جس کو دودھ پلایا تھا اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا۔ لوگ تم کو نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے۔ حالاں کہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ کا عذاب بے حد سخت ہے۔ (حج ۱-۲)

ایک فرانسیسی مصنف نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے ۲۵ واں گھنٹہ (25th HOUR) مصنف نے دنیا کی تمام تہذیبوں کا جائزہ لے کر دکھایا ہے کہ انسانیت اب اپنی بربادی کے آخری کنارے پر ہے۔ ہمارے ۲۴ گھنٹے ختم ہو چکے ہیں:

24th HOUR IS PAST

یہی بات دنیا کے آخری انجام کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ قیامت بالکل اچانک آئے گی۔ گویا ہمارا ہر لمحہ آخری لمحہ ہے۔ ہر وقت یہ امکان ہے کہ انسانیت اپنی مہلتِ عمر پوری کر چکی ہو۔ انسان اپنے "۲۴ گھنٹوں" کو ختم کر کے ۲۵ ویں فیصلہ کن گھنٹے میں داخل ہو جائے۔

یہ دنیا امتحان گاہ ہے اور ہر آدمی امتحان میں کھڑا ہوا ہے۔ وہ کوشش کرے تو امتحان میں اعلیٰ امتیاز کے ساتھ اپنے کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ اور اگر وہ غافل رہے تو دوسرے انجام کے لئے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے آپ ہر آدمی کی طرف دوڑا چلا آ رہا ہے خواہ وہ اس کو کتنا ہی زیادہ ناپسند کرتا ہو۔

"زندگی صرف ایک بار ملتی ہے"، کالج کے ایک استاد نے کہا "میں بی ایس سی کر کے ملازمت میں لگ گیا۔ ایم ایس سی نہیں کیا۔ اب کتنے اعلیٰ مواقع میرے سامنے آتے ہیں۔ مگر میں ان سے صرف اس لئے محروم رہتا ہوں کہ میرے پاس ماسٹر ڈگری نہیں"

یہی انجام زیادہ بڑے پیمانہ پر آخرت میں ظاہر ہونے والا ہے۔ ہر آدمی کے سامنے عالی شان مواقع ہوں گے۔ مگر وہ ان سے محروم رہے گا۔ کیوں کہ ان کے لئے اس نے دنیا میں تیاری نہیں کی تھی۔

ساری پوتھی نہیں دیکھی جائے گی

ایک بزرگ راستہ چل رہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی۔ راستہ میں ایک فقیر نے روکا:

"آپ نے بہت کچھ پڑھا اور جانا ہوگا۔ ایک بات میری بھی سن لیجئے"۔ اس نے کہا اور پھر ایک وقفہ کے بعد بولا: "سنئے! وہاں کسی کی ساری پوتھی نہیں دیکھیں گے۔ آدمی پیچ میں جہاں ہے، بس وہیں انگلی رکھ دی جائے گی"۔ اتنا کہا اور خاموشی سے غائب ہوگیا۔

آدمی لوگوں کے درمیان اِس سے جانا جاتا ہے کہ وہ مقرر ہے، مصنف ہے، فلاں عہدے اس کے پاس ہیں۔ فلاں فلاں ملکوں کی اس نے سیاحت کی ہے۔ اتنے آدمیوں کی جماعت اس کے ساتھ ہے۔ اس نے فلاں فلاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔ وغیرہ۔ مگر اکثر یہ تمام چیزیں مصنوعی ہوتی ہیں۔ انسان حقیقۃً کہیں اور ہوتا ہے، مگر دیکھنے میں کہیں اور نظر آتا ہے۔ اس کی تمام سرگرمیاں اپنی ذات کے گرد گھومتی ہیں۔ اگرچہ بظاہر یہ دکھائی دیتا ہے کہ وہ خدا اور اس کے دین کے لئے سرگرم عمل ہے۔

کوئی انسان کہاں ہے، یہ ہم نہیں جان سکتے۔ مگر خدا اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ آخرت میں کسی آدمی کی زندگی کے ٹھیک اسی مقام پر وہ انگلی رکھ دے گا جہاں وہ حقیقۃً جی رہا تھا۔

ایک وزیر اعظم جب اقتدار کی کرسی پر ہو تو ملک کی تمام رونقیں اس کے جلو میں چلتی ہیں۔ ہر طرف بس اسی کے شاندار کارناموں کی دھوم ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس سے بڑھ کر انسانیت کا پیکر اور کوئی نہیں۔ مگر جب عوام کی عدالت اس کو بے نقاب کرتی ہے اور اس کو مصنوعی رونقوں کے تخت سے اتار کر وہاں رکھ دیتی ہے جہاں وہ فی الواقع تھا تو اچانک دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ اس کی بظاہر روشن زندگی مکمل طور پر ایک تاریک زندگی تھی۔ وہ تمام تر اپنی ذات کی سطح پر جی رہا تھا۔ اگرچہ اس کے تحت ابلاغ کے تمام محکمے رات دن اس پروپگنڈے میں مصروف تھے کہ وہ خدمت قوم اور تعمیر ملک کی سطح پر زندگی گزار رہا ہے۔ اسی مثال سے آخرت کے معاملہ کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

اسلام وہی ہے جو زندگی میں بھونچال بن کر داخل ہو

موجودہ زمانہ کے بعض ملحد مفکرین نے دیکھا کہ انسان کسی طرح مذہب کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا۔ انھوں نے مذہب کو ایک ناگزیر نفسیاتی ضرورت کے طور پر مان لیا۔ البتہ انھوں نے کہا کہ مذہب کی بنیاد خدائی الہام پر نہیں ہونی چاہئے۔ اس فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے جولین ہکسلے نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے:

RELIGION WITHOUT REVELATION

(مذہب بغیر الہام)۔ اس قسم کا مذہب تو ابھی عملاً وجود میں نہیں آیا۔ تاہم "اسلام بغیر آخرت" کے بہت سے نسخے ہمارے یہاں رائج ہو گئے ہیں۔ اس اسلام میں سب کچھ ہے مگر جہنم کا اندیشہ نہیں۔ اصحاب رسول کو جو اسلام ملا تھا، اس نے انھیں اس درجہ بے قرار کر دیا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا جہنم کی آگ انھیں کے لئے بھڑکائی گئی ہے۔ اب اسلام کے مجاہدین نے ایسا اسلام دریافت کر لیا ہے جس کے خزانے میں صرف جنت ہی جنت ہے۔ جہنم کا اس میں کہیں گزر نہیں۔

کچھ لوگوں کے لئے ان کی دنیا کی کامیابی ہی اس بات کی یقینی علامت ہے کہ ان کی آخرت بھی ضرور کامیاب ہوگی۔ کچھ لوگوں نے ایسے زندہ یا مردہ بزرگ پالئے ہیں جن کا دامن تھام لینے کے بعد اب ان کے لئے آخرت کا کوئی خطرہ نہیں۔ کچھ لوگ اتنے خوش قسمت ہیں کہ معمولی معمولی باتوں پر صبح و شام ان کے لئے جنت کے محلات رزرو ہو رہے ہیں، پھر ان کو آخرت سے ڈرنے کی کیا ضرورت۔ کچھ لوگوں کو اسلام نے عالیشان سیاسی منصوبے دیئے ہیں اور وہ قائدانہ اعزازات کے زیر سایہ جنت کا راستہ طے کر رہے ہیں۔ کچھ لوگوں نے اور بھی زیادہ آسان راستہ تلاش کر لیا ہے —— جگمگاتے ہوئے پنڈالوں میں تقریر کے کرتب دکھاؤ اور سیدھے جنت الفردوس میں پہنچ جاؤ۔

اس قسم کا اسلام خواہ دنیا میں کتنا ہی دلفریب نظر آتا ہو، آخرت میں اس کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔ آخرت میں کام آنے والا اسلام وہ ہے جو آدمی کی زندگی میں بھونچال بن کر داخل ہوا ہو۔ جو قیامت کے زلزلہ سے پہلے آدمی کے لئے زلزلہ ثابت ہو۔ اس قسم کا اسلام جب کسی کو ملتا ہے تو اس کے لئے ہر معاملہ خدا کا معاملہ بن جاتا ہے۔ "چھوٹے" کو بے عزت کرتے ہوئے اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ رب العالمین کے سفیر کو بے عزت کر رہا ہے۔ "بڑے" کی خوشامد کرتے ہوئے اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا وہ خدا کی غیرت کو چیلنج کر رہا ہے۔ حق واضح ہونے کے بعد اس کو نظرانداز کرنا اس کے نزدیک ایسا ہی بن جاتا ہے جیسے کوئی شخص جنت اور جہنم کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھے، پھر بھی جنت کو چھوڑ کر جہنم میں کود پڑے۔

عمل کی حقیقی سطح پر آدمی ناکام رہتا ہے، اور مصنوعی سطح پر کامیابی کے جھنڈے لہرا رہا ہے

امریکہ میں انسانی حقوق کے عنوان پر ایک بین اقوامی سمینار ہو، اس کے لئے آپ کے پاس دعوت نامہ آئے، آپ ہوائی جہاز سے اڑکر امریکہ پہنچیں اور وہاں شاندار اسٹیج پر ایک تقریری ریکارڈ دہرادیں۔ تو یہ خبر فوراً اخبار میں چھپ جائے گی۔ اس کے برعکس اگر آپ کو آخرت کا ڈر ہے۔ اور جہنم کے اندیشے کے تحت آپ لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں تو یہ واقعہ کبھی اخبار کی سرخی نہیں بنے گا۔

آخر الذکر، عمل کی حقیقی سطح ہے۔ اول الذکر، عمل کی مصنوعی سطح۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ہر شخص، خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی، عمل کی مصنوعی سطح پر زندگی گزار رہا ہے۔ وہ ان امور میں تو خوب کارنامے دکھاتا ہے جن میں "نیوز ویلو" ہو، جن سے اس کی امیج بنتی ہو، جن میں عزت و جاہ کے استقبالئے وصول ہوتے ہوں، جن میں حق کی علم برداری کا عالمی کریڈٹ ملتا ہو، جو اس کو اخبار کی سرخیوں میں جگہ دینے والے ہوں ــــــ مصنوعی سطح کی چمک دمک نے لوگوں کو اتنا زیادہ اپنی طرف کھینچ رکھا ہے کہ عمل کی حقیقی سطح کی طرف توجہ دینے کی کسی کو فرصت نہیں۔

دوسری طرف لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر ان سے کوئی معاملہ پڑجائے تو وہ کچے ثابت ہوں، کسی سے اختلاف پیدا ہو تو انصاف پر قائم نہ رہ سکیں، ان کی غلطیاں روز روشن کی طرح واضح ہوجائیں جب بھی وہ اعتراف نہ کریں۔ ایک مظلوم ان سے بے لاگ فیصلہ کی امید نہ کرسکے۔ خدا کی کھلی کھلی نشانیاں ظاہر ہوں مگر وہ عبرت نہ پکڑیں۔ وہ اپنے دل کو حسد، بغض، کینہ، نفرت، عصبیت سے پاک نہ کریں۔ وہ طاقت کے آگے جھک جائیں، مگر دلیل کے آگے جھکنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ خدا کی آیتیں سن کر ان کے دل نہ دہلیں اور آخرت کی جواب دہی کے خوف سے ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے نہ ہوں۔

لوگ عمل کی مصنوعی سطح پر کامیابی کے جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ اور عمل کی جو حقیقی سطح ہے وہاں ناکامی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں ــــــ جلسوں اور کنونشنوں کی دھوم ہے، جہاد اور انقلاب کے نعرے لگ رہے ہیں۔ دوسری طرف خاموش تعمیری کام کا سارا میدان خالی پڑا ہوا ہے اور اس کے لئے کوئی نہیں اٹھتا۔

دعا آدمی کی پوری ہستی سے نکلتی ہے
نہ کہ محض زبانی الفاظ سے

حضرت مسیح نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا: مانگو تو تم کو دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو پاؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمھارے واسطے کھولا جائے گا۔ کیوں کہ جو کوئی مانگتا ہے اسے ملتا ہے۔ اور جو ڈھونڈتا ہے وہ پاتا ہے، اور جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے واسطے کھولا جائے گا۔ تم میں ایسا کون آدمی ہے کہ اگر اس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے تو وہ اس کو پتھر دے۔ یا اگر مچھلی مانگے تو اس کو سانپ دے۔ پس جب کہ تم برے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو تمھارا باپ جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دے گا۔ (متی ۷: ۷-۱۲)

یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا۔ مگر مانگنا صرف کچھ لفظوں کو دہرانے کا نام نہیں ہے۔ مانگنا وہی مانگنا ہے جس میں آدمی کی پوری ہستی شامل ہو گئی ہو۔ ایک شخص زبان سے کہہ رہا ہو "خدایا مجھے اپنا بنا لے"، مگر عملاً وہ اپنی ذات کا بنا رہے، تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس نے مانگا ہی نہیں۔ اس کو جو چیز ملی ہوئی ہے، وہی دراصل اس نے خدا سے مانگی تھی۔ خواہ زبان سے اس نے جو لفظ بھی ادا کئے ہوں۔

ایک بچہ اپنی ماں سے روٹی مانگے تو یہ ممکن نہیں کہ ماں اس کے ہاتھ میں انگارہ رکھ دے۔ خدا اپنے بندوں پر تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ آپ خدا سے خشیت مانگیں اور وہ آپ کو قساوت دیدے۔ آپ خدا کی یاد مانگیں اور وہ آپ کو خدا فراموشی میں مبتلا کر دے۔ آپ آخرت کی تڑپ مانگیں اور وہ آپ کو دنیا کی محبت میں ڈال دے۔ آپ کیفیت سے بھری ہوئی دینداری مانگیں اور وہ آپ کو بے روح دین داری میں پڑا رہنے دے۔ آپ حق پرستی مانگیں اور وہ آپ کو شخصیت پرستی کی کوٹھری میں بند کر دے۔

آپ کی زندگی میں آپ کی مطلوب چیز کا نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نے ابھی تک اس کو مانگا ہی نہیں۔ اگر آپ کو دودھ خریدنا ہو اور آپ چھلنی لے کر بازار جائیں تو پیسے خرچ کرنے کے بعد بھی آپ خالی ہاتھ واپس آئیں گے۔ اسی طرح اگر آپ زبان سے دعا کے کلمات دہرا رہے ہوں مگر آپ کی اصل ہستی کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ ہو تو یہ کہنا صحیح ہو گا کہ نہ آپ نے مانگا تھا اور نہ آپ کو ملا۔ جو مانگے وہ کبھی پائے بغیر نہیں رہتا۔ یہ مالک کائنات کی غیرت کے خلاف ہے کہ وہ کسی بندے کو اس حال میں رہنے دے کہ قیامت میں جب خدا سے اس کا سامنا ہو تو وہ اپنے رب کو حسرت کی نظر سے دیکھے۔ وہ کہے کہ خدایا میں نے تجھ سے ایک چیز مانگی تھی مگر تو نے مجھے نہ دی۔ بخدا یہ ناممکن ہے، یہ ناممکن ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ کائنات کا مالک تو ہر صبح و شام اپنے تمام خزانوں کے ساتھ آپ کے قریب آکر آواز دیتا ہے ـــــ "کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں اسے دوں"، مگر جنھیں لینا ہے وہ اندھے بہرے بنے ہوئے ہوں تو اس میں دینے والے کا کیا قصور۔

"میرے لئے ایک سائیکل خرید دیجئے" بیٹے نے باپ سے کہا۔ باپ کی آمدنی کم تھی۔ وہ سائیکل خریدنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ اس نے ٹال دیا۔ لڑکا بار بار کہتا رہا اور باپ بار بار منع کرتا رہا۔ بالآخر ایک روز باپ نے ڈانٹ کر کہا "میں نے کہہ دیا کہ میں سائیکل نہیں خریدوں گا۔ اب آئندہ مجھ سے اس قسم کی بات مت کرنا۔"

یہ سن کر لڑکے کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ کچھ دیر چپ رہا۔ اس کے بعد روتے ہوئے بولا: "آپ ہی تو ہمارے باپ ہیں۔ پھر آپ سے نہ کہیں تو اور کس سے کہیں۔" اس جملہ نے باپ کو تڑپا دیا۔ اچانک اس کا انداز بدل گیا۔ اس نے کہا۔ اچھا بیٹے اطمینان رکھو میں تمہارے لئے سائیکل خرید دوں گا۔ اور کل ہی خریدوں گا۔" یہ کہتے ہوئے باپ کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اگلے دن اس نے پیسہ کا انتظام کرکے بیٹے کے لئے نئی سائیکل خرید دی۔

لڑکے نے بظاہر ایک لفظ کہا تھا۔ مگر یہ ایک ایسا لفظ تھا جس کی قیمت اس کی اپنی زندگی تھی، جس میں اس کی پوری ہستی شامل ہوگئی تھی۔ اس لفظ کا مطلب یہ تھا کہ اس نے اپنے آپ کو اپنے سرپرست کے آگے بالکل خالی کر دیا ہے۔ یہ لفظ بول کر اس نے اپنے آپ کو ایک ایسے نقطہ پر کھڑا کر دیا جہاں اس کی درخواست اس کے سرپرست کے لئے بھی اتنا ہی بڑا مسئلہ بن گئی جتنا خود اس کے لئے۔

اس واقعہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ ذکر الٰہی کی وہ کون سی قسم ہے جو میزان کو بھر دیتی ہے اور جس کے بعد خدا کی رحمتیں بندے کے اوپر امنڈ آتی ہیں۔ یہ رٹے ہوئے الفاظ کی تکرار نہیں ہے۔ نہ اس کا کوئی "نصاب" ہے۔ یہ ذکر کی وہ قسم ہے جس میں بندہ اپنی پوری ہستی کو انڈیل دیتا ہے۔ جب بندے کی آنکھ سے عجز کا وہ قطرہ ٹپک پڑتا ہے جس کا تحمل زمین وآسمان بھی نہ کر سکیں۔ جب بندہ اپنے آپ کو اپنے رب کے ساتھ اتنا زیادہ شامل کر دیتا ہے کہ "بیٹا" اور "باپ" دونوں ایک ترازو پر آجاتے ہیں ـــ یہ وہ لمحہ ہے جب کہ ذکر محض لغت کا لفظ نہیں ہوتا بلکہ ایک شخصیت کے پھٹنے کی آواز ہوتا ہے۔ اس وقت خدا کی رحمتیں اپنے بندے پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ بندگی اور خدائی دونوں ایک دوسرے سے راضی ہوجاتی ہیں۔ قادر مطلق عاجز مطلق کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔

مارشل اسٹالن (۱۹۵۴-۱۸۷۹) تاریخ کے پہلے ملحدانہ نظام کے سربراہ تھے۔ ان کو ۳۰ سال تک انتہائی مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع ملا۔ مگر ان کی موت اتنے بھیانک حالات میں ہوئی کہ ان کی اکلوتی لڑکی سویتلانا نے الحاد کو چھوڑ کر مذہبی زندگی اختیار کرلی۔

"میرا باپ ایک مشکل اور بھیانک موت مرا"، سویتلانا لکھتی ہے "یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے کسی شخص کو مرتے ہوئے دیکھا۔ ہیمورج آہستہ آہستہ اس کے دماغ کے بقیہ حصوں میں پھیل رہا تھا۔ چوں کہ اس کا دل صحت مند اور مضبوط تھا۔ اس نے سانس کے مرکز کو بتدریج متاثر کیا اور اس کی وجہ سے گلا گھٹنے کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس کی سانس کم سے کم ہوتی جا رہی تھی۔ آخری بارہ گھنٹوں میں آکسیجن کی کمی بڑی سنگین تھی۔ اس کا چہرہ بدل گیا اور کالا ہوگیا۔ اس کے ہونٹ بھی سیاہ پڑ گئے اور شکل پہچاننی مشکل ہوگئی۔ آخری لمحات میں اس پر اختناق کی حالت طاری تھی۔ موت کی تکلیف ہولناک تھی۔ دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔

بالکل آخری لمحات میں اچانک اس نے آنکھ کھول دی اور کمرہ کے ہر شخص پر ایک نظر ڈالی۔ یہ دیکھنے کا منظر بھی بڑا بھیانک تھا۔ وہ باؤلا ہو رہا تھا یا غصہ میں تھا۔ اس پر دہشت طاری تھی۔ شاید موت کے ڈر سے اور ڈاکٹروں کے نامانوس چہروں سے جو اس کے اوپر جھکے ہوئے تھے۔ اس کی نظر ایک سکنڈ میں سب کے اوپر سے گزر گئی۔ تب ایک ہولناک اور ناقابل فہم واقعہ ہوا۔ جس کو آج تک نہ میں بھلا سکی ہوں اور نہ سمجھ سکی ہوں۔ اس نے اچانک اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا جیسے وہ اوپر کسی چیز کی طرف اشارہ کرنا چاہتا تھا۔ اور کوئی آتا ہوا عذاب ہم سب پر ڈال دینا چاہتا تھا۔ اشارہ ناقابل فہم تھا اور خوف سے بھرا ہوا تھا۔ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس کی طرف یا کس چیز کی جانب اشارہ کرنا چاہتا تھا۔ اگلے لمحہ ایک آخری کوشش کے بعد، جھٹکا ہوا اور جان اس کے جسم سے نکل گئی۔ (انڈین ایکسپریس ۱۲ ستمبر ۱۹۶۷)

غیر اسلامی زندگی یہ ہے کہ آدمی کی سرگرمیوں کا رخ دنیا کی طرف ہو جائے — اس کو اپنے مادی مفادات سے دلچسپی ہو، وہ اپنے دنیوی مستقبل کی تعمیر میں لگا ہوا ہو۔ وہ انھیں چیزوں کے لئے متحرک ہوتا ہو جس میں اس کے دنیوی معاملات درست ہوتے ہوں، جس میں اس کی شخصیت چمکتی ہو، جس میں اس کے احساس برتری کو تسکین ملتی ہو۔

اس کے برعکس اسلامی زندگی آخرت رخی زندگی (AKHIRAT ORIENTED LIFE) ہوتی ہے۔ مومن کی دلچسپیوں کا مرکز آخرت ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اخروی مستقبل کی فکر میں رہتا ہے۔ اس کو خدا کے یہاں سرخرو ہونے کا شوق رہتا ہے نہ کہ دنیا میں اپنی امیج بنانے کا۔ اس کی توجہ، اس کی تمنائیں، اس کی سرگرمیاں سب آخرت کے گھر کو بنانے کی طرف لگی رہتی ہیں۔ مختصر یہ کہ غیر مومن دنیا میں زندگی گزارتا ہے اور مومن آخرت میں۔ غیر مومن مرنے کے بعد اپنی آخرت کو دیکھے گا اور مومن دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کے عالم میں پہنچ جاتا ہے۔

ہم میں سے ہر شخص زندگی کے مقابلہ میں موت سے زیادہ قریب ہے۔ یہ احساس اگر زندہ ہو تو آدمی ہر موت کو اپنی موت سمجھے۔ وہ دوسرے کا جنازہ دیکھے تو ایسا معلوم ہو گویا خود اس کی لاش اٹھا کر قبر کی طرف لے جائی جارہی ہے۔

۲۴ اگست ۱۹۷۷ کو دہلی کے اخبارات کا پہلا صفحہ بڑا عبرت ناک تھا۔ اس میں شری بنسی لال کی گرفتاری کی خبر تھی۔ اسی کے ساتھ ایک تصویر تھی جس میں ہندستان کے سابق وزیر دفاع کو پولیس کی حراست میں دکھایا گیا تھا۔ اپریل ۱۹۷۷ کے الکشن میں کانگرس کی شکست سے پہلے جو شخص وزیر اعظم کے بعد ملک کا دوسرا سب سے طاقت ور آدمی سمجھا جاتا تھا، وہ یہاں ہتھکڑی میں بندھا ہوا نظر آرہا تھا۔

اخبار پڑھنے والوں کے لئے یہ کوئی انوکھی خبر نہیں۔ اس قسم کی گرفتاری کی خبریں آئے دن اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں جن میں بتایا جاتا ہے کہ ایک شخص جو کل اعلیٰ اختیارات کا مالک تھا۔ آج اس کو ایک معمولی آدمی کی طرح پکڑ کر جیل کی کوٹھری میں بند

آدمی اگر خدا کی پکڑ سے ڈرتا ہو تو ہر گرفتاری کو وہ اپنی گرفتاری سمجھے دوسرے کے ہاتھ میں ہتھکڑی لگتی ہوئی دیکھے تو اس کو محسوس ہو گویا خود اسی کو باندھا جارہا ہے

کردیا گیا ہے۔ کل تک وہ وی وی آئی پی (VVIP) تھا آج وہ صرف ایک مجرم ہے، ایسا مجرم جس کو قانون نے اپنی تمام بے رحمیوں کے ساتھ اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

موت بھی اسی قسم کی ایک گرفتاری ہے۔ وہ تمام دوسری گرفتاریوں سے زیادہ سخت ہے۔ کیوں کہ وہ زمین و آسمان کے مالک کی طرف سے اس کے بندوں کی گرفتاری ہے۔ گرفتاری کا یہ دن ہر آدمی کی طرف تیزی سے دوڑا چلا آرہا ہے۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ "بنسی لال" اور "بھٹو" کی گرفتاری سے تو خوب واقف ہیں۔ مگر خود اپنی گرفتاری کی انھیں خبر نہیں۔ وہ دوسروں کے پکڑے جانے کا خوب چرچا کرتے ہیں۔ مگر اس دن کو یاد نہیں کرتے جب کہ خدا کے فرشتے خود ان کو اس سے زیادہ بے رحمی کے ساتھ پکڑ کر خدا کی عدالت میں حاضر کردیں گے۔

خدائی گرفتاری کا یہ دن اتنا ہولناک ہے کہ اگر آدمی کو اس کا واقعی احساس ہو جائے تو ہر گرفتاری کو وہ اپنی گرفتاری سمجھے۔ دوسرے کے ہاتھ میں ہتھکڑی لگتی ہوئی دیکھے تو اس کو ایسا محسوس ہو گویا خود اسی کو باندھا جارہا ہے۔ (۹ مئی ۱۹۷۸)

۱۷۵۵ء میں یورپ کے ایک شہر میں تباہ کن زلزلہ آیا۔ چند روز بعد لوگوں نے دیکھا کہ ایک آدمی آواز لگاکر بھونچال روک گولی (ANTI-EARTHQUAKE PILL) بیچ رہا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ تمھاری یہ گولی بھونچال کو کس طرح روکے گی۔ اس نے فوراً جواب دیا:

BUT WHAT IS THE ALTERN...

(پھر دوسری صورت کیا ہے)۔ بھونچال روک گولی کا یہ کاروبار اگرچہ آگے نہیں بڑھا۔ وہ محض لطیفہ بن کر رہ گیا۔ مگر عجیب بات ہے کہ سب سے بڑے بھونچال (زلزلۂ آخرت) کے لئے لوگوں نے اسی قسم کی گولیاں بنالی ہیں اور نہایت بڑے پیمانہ پر اس کا کاروبار ساری دنیا میں ہو رہا ہے۔

بھونچال روک گولی کے ایک بہت بڑے مبلغ لکھتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان ان کا اہتمام کرلے، جنت میں داخل ہو اور وہ دونوں بہت معمولی چیزیں ہیں۔ مگر ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔ ایک یہ کہ سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ پڑھ لیا کرے تو روزانہ ایک سو پچاس مرتبہ (پانچوں نمازوں کے بعد کا مجموعہ) ہو جائے گا اور دس گنا ہو جانے کی وجہ سے ۱۵۰۰ نیکیاں حساب میں شمار کی جائیں گی۔ اور دوسری چیز یہ کہ سوتے وقت اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ، الحمدللہ ۳۳ مرتبہ، سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کرے تو ۱۰۰ کلمے ہو گئے جس کا ثواب دس گنا بڑھ کر ایک ہزار نیکیاں ہو گئیں۔ اب ان کی اور دن بھر کی نمازوں کے بعد کی میزان کل دو ہزار پانچ سو نیکیاں ہو گئیں۔ بھلا اعمال تولنے کے وقت ڈھائی ہزار برائیاں روزانہ کی کس کی ہوں گی جو ان پر غالب آجائیں" (۱۳۳) "ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ کوئی شخص تم میں سے اس بات کو نہ چھوڑے کہ ہزار نیکیاں روزانہ کر لیا کرے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سو مرتبہ پڑھ لیا کرے۔ (دس گنا بڑھ کر) یہ ہزار نیکیاں ہو جائیں گی۔ اتنے گناہ تو انشاءاللہ روزانہ کے ہوں گے بھی نہیں۔ اور اس تسبیح کے علاوہ جتنے نیک کام کئے ہوں گے ان کا ثواب علیحدہ نفع میں رہا۔" (۱۳۶)

مغفرت کا معاملہ اگر اس قسم کے سادہ حساب کا معاملہ ہوتا تو صحابہ کا یہ حال نہ ہوتا کہ وہ آخرت کے خوف سے بے قرار رہتے اور یہ کہتے کہ کاش میں ایک تنکا ہوتا، کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔

اس قسم کا عجیب وغریب اسلام اس لئے وجود میں آیا کہ ذکر کو ورد کے ہم معنی سمجھ لیا گیا۔ اب گناہ اور ثواب دونوں گنتی کی چیز بن گئے اور یہ ممکن ہو گیا کہ ایک گنتی کی کمی کو دوسری گنتی کی زیادتی سے برابر کر لیا جائے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ذکر کوئی شماریاتی چیز نہیں۔ ذکر اپنی شعوری ہستی کا نذرانہ ہے۔ بندہ جب اپنے رب کو اس کی تمام عظمتوں کے ساتھ پالیتا ہے تو اس کا پورا وجود اس کی یاد میں غرق ہو جاتا ہے۔ اسی کا نام ذکر ہے۔ یہ ذکر آدمی کے اندر قناعت یا بےخوفی پیدا نہیں کرتا، بلکہ وہ آدمی کو خوف ودہشت سے بھر دیتا ہے۔ خدا کے جلال وجبروت کی یاد جس کے اندر بےخوفی کی نفسیات پیدا کرے، اس نے خدا کو یاد ہی نہیں کیا۔ اسی لئے قرآن میں کہا گیا ہے کہ بندہ جب خدا کو یاد کرتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے ــــ خدایا ہم کو آگ کے عذاب سے بچا (رَبَّنَا فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، آل عمران،

جب کسی کے لئے یہ موقع نہ ہوگا کہ حق کو ٹھکرا کر بھی وہ حق کا چیمپین بنا رہے

کسی کے اسلام نے اس کو یہ اطمینان عطا کیا ہے کہ جنت کے محلات اس کے لئے رزرو ہیں۔ کسی کے اسلام نے اس کو تقریر و خطابت کا شاندار عنوان دے رکھا ہے۔ کسی کا اسلام اس کو انقلاب عالم کا چیمپین بنائے ہوئے ہے۔

بخدا یہ وہ اسلام نہیں جس کو رسول اور اصحاب رسول نے پایا تھا۔ لوگ اگر اُس اسلام کو پالیں تو ان کی زبانیں بند ہو جائیں۔ ان کی آنکھیں آنسو بہائیں اور ان کے دل خدا کے خوف سے لرز اٹھیں۔ روشنی کے بجائے تاریکی اور پر رونق مجالس کے بجائے تنہائیاں ان کی محبوب ترین چیز بن جائیں۔ دوسروں کے سامنے شاندار تقریروں کا کرشمہ دکھانا ان کو بے ہودہ فعل معلوم ہونے لگے۔ اپنی غلطیوں اور حماقتوں کا جائزہ لینے میں وہ اتنا مشغول ہوں کہ دوسروں کے پیچھے دوڑنے کی انھیں فرصت نہ رہے۔

آج کی دنیا میں آدمی کھاتا پیتا ہے۔ گھر بناتا ہے۔ عہدے اور مناصب حاصل کرتا ہے۔ اعزازات وصول کرنے کے لئے دوڑتا ہے۔ یہ صورت حال اس کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے۔ وہ اپنی موجودہ حیثیت کو مستقل حیثیت سمجھ بیٹھا ہے۔ حالانکہ اس کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک بے زور کیڑا ہے۔ بہت جلد وہ دن آنے والا ہے جب کہ اس کی یہ تمام اضافی حیثیتیں چھین لی جائیں گی۔ حتیٰ کہ لباس بھی اتار لیا جائے گا جو آدمی کے اثاثہ کی آخری چیز ہوتا ہے۔ وہ اچانک اپنے آپ کو اس حال میں پائے گا کہ وہ "ننگے جسم، ننگے پاؤں اور غیر مختون" حالت میں رب العالمین کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔

اس دن ساری اونچ نیچ مٹ جائے گی۔ خوف و دہشت سے لوگوں کی زبانیں بند ہو چکی ہوں گی۔ آدمی کے اپنے وجود کے سوا ہر چیز اس کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ کسی کے لئے یہ موقع نہ ہوگا کہ حق کے پیغام کو نظر انداز کر کے بھی حق کا ٹھیکیدار بنا رہے ——— اس آنے والے دن کو جو آج دیکھ لے، وہی کامیاب ہے۔ جو شخص اسے کل دیکھے گا، اُس کے لئے اِس کے سوا کوئی انجام نہیں کہ وہ "ابد تک روتا اور دانت پیستا رہے"۔

تعریف سے خوش ہونا اور تنقید سے بھڑکنا، پستی کی علامتیں ہیں۔

فانی بدایونی (۱۹۴۰-۱۸۷۹) نے کہا ہے کہ دنیا کی رنگینیاں انتہائی بے حقیقت ہونے کے باوجود اپنے ظاہر میں اتنی پرکشش ہیں کہ انسان ان کو حقیقت سمجھ بیٹھتا ہے۔ بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص دھوکا دینے والے ان مناظر سے اوپر اٹھ کر سوچ سکے:

فریب جلوہ اور کتنا مکمل! اے معاذ اللہ
بڑی مشکل سے دل کو بزم عالم سے اٹھایا

اس میں شک نہیں کہ دنیا کی رنگینیوں سے اپنے کو اوپر اٹھا لینا سخت مشکل کام ہے۔ تاہم کم تعداد میں سہی، ایسے لوگ پھر بھی کچھ نہ کچھ مل جاتے ہیں۔ مگر اس سے بھی زیادہ مشکل ہے خود اپنی ذات سے اوپر اٹھنا۔ اس پہلو سے دیکھئے تو کامیاب افراد کی تعداد کم یابی سے گزر کر نایابی تک پہنچ جائے گی یہ وہ مقام ہے جب کہ آدمی مقید فکر (CONDITIONED THINKING) سے باہر آجاتا ہے۔ ہر آدمی جن حالات میں پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا ہے، اس کے لحاظ سے ماحول اور روایات کا ایک ہالہ اس کے گرد قائم ہوجاتا ہے۔ اس کا ایک فکری مدار (ORBIT) بن جاتا ہے جس میں وہ گھومتا رہتا ہے۔ اس غیر محسوس مدار سے باہر آکر سوچنا اور مکمل طور پر آزادانہ رائے قائم کرنا اس قدر دشوار ہے کہ وہ لوگ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں جو آزادانہ فکر کے علم بردار بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ خلائی راکٹ جب اپنی گردش کے دوران زمین کے مدار سے نکل کر دوسرے سیارہ کے مدار میں داخل ہوتا ہے تو تحول کے نقطہ پر دھماکہ کے ساتھ زبردست آواز پیدا ہوتی ہے۔ یہی قانون شاید انسانی زندگی کے لئے بھی ہے۔ کوئی شخص اپنے مدار سے نکل کر آزاد شعوری مدار میں اس وقت داخل ہوتا ہے جب کہ وہ اپنے اس فکری خول کو توڑنے کے لئے پوری طرح تیار ہوجائے جو روایات اور ماحول کے اثر سے محض اتفاقی طور پر اس کے گرد بن گیا ہے۔

کوئی شخص کب اس قابل ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو روایتی مدار سے نکال کر آزاد مدار کی طرف لے جانے کا عمل شروع کر سکے، اس کا ایک ہی جواب ہے: جب وہ اپنے آپ کو ایسا بنانے میں کامیاب ہوجائے کہ نہ ذاتی تعریف سے اسے خوشی حاصل ہو اور نہ ذاتی تنقید اسے بری لگے۔ کوئی آدمی کس مقام پر ہے، اس کو جاننے کی یہ واحد یقینی پہچان ہے۔

اگر آدمی اپنی ذات کے مدار میں گھوم رہا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس سے نہیں بچا سکتا کہ ذاتی تعریف اس کو اچھی لگے اور ذاتی تنقید پر وہ بوکھلا اٹھے۔ مگر جو شخص اپنے ذاتی مدار سے بلند ہوجائے وہ کبھی اس بیماری میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ اس کو تعریف اور تنقید دونوں ہی بے معنی معلوم ہوں گی۔ کیوں کہ وہ حقائق کو ایسی بلند سطح سے دیکھ رہا ہوگا جہاں روایات اور ماحول کے اثرات اس کے لئے ایک خارجی چیز بن جاتے ہیں۔ بعض اعتبار سے ان میں ملوث ہونے کے باوجود وہ ان کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے سے باہر کی ایک چیز کا دور سے مشاہدہ کر رہا ہو۔

اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ کیسا ہیبت ناک دن ان کی طرف دوڑا چلا آ رہا ہے تو
ان کے چلتے ہوئے قدم رک جائیں اور ان کے پاس بولنے کے لئے الفاظ نہ رہیں

اس آئینہ میں آپ اپنا
چہرہ دیکھ سکتے ہیں

خدا کے وفادار بندوں کے مشیر فرشتے ہوتے ہیں اور خدا کے باغیوں کے
مشیر شیطان۔ جو آدمی اختلاف کے وقت تواضع اختیار کرے، وہ اس بات
کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کو یہ توفیق ملی ہے کہ خدا کے فرشتے اس کے مشیر بنیں۔
کیونکہ فرشتوں کی صفت یہ ہے کہ وہ استکبار نہیں کرتے۔
اس کے برعکس جو لوگ اختلاف کے وقت ظلم اور ناانصافی پر اتر آئیں اور متکبرانہ
روش اختیار کریں، وہ یہ ثابت کر رہے ہیں کہ انھوں نے شیطان کو اپنا مشیر
بنا رکھا ہے۔ کیونکہ قرآن میں گھمنڈ اور سرکشی کو صرف شیطان کی صفت بتایا گیا ہے

کیا خدا کی دونوں دنیاؤں میں تضاد ہے

"انسانوں کی دنیا سے دور خدا کی دنیا کتنی حسین ہے"، میری زبان سے نکلا۔ میں ایک ٹیلہ پر کھڑا تھا۔ قدرت کے آفاقی مناظر میری آنکھوں کے سامنے تھے۔ "کیا خدا کی دونوں دنیاؤں میں تضاد ہے۔ بقیہ کائنات کو خدا انتہائی محکم بنیادوں پر چلا رہا ہے۔ مگر انسانوں سے اس کو مطلوب ہے کہ وہ کرامتوں کی ایک پر اسرار دنیا بنا کر اس کے اندر طلسماتی کارنامے دکھائیں۔ خدا کو شیشم یا چنار کا ایک درخت اگانا ہو تو وہ سو سال کا ہمہ گیر منصوبہ بناتا ہے۔ مگر اپنے بندوں سے وہ چاہتا ہے کہ نعروں اور تقریروں کا طوفان اٹھا کر آناً فاناً حالات کو بدل ڈالیں۔ کائناتی کارخانہ میں ہر طرف نفع رسانی اور منفعت بخشی کا سیلاب بہہ رہا ہے۔ مگر کائنات کا مالک اپنے بندوں سے جو کچھ چاہتا ہے وہ یہ کہ وہ دوسروں کو "نقصان پہنچانے" کا کمال دکھائیں اور خیرامت ہونے کا ٹائٹل حاصل کریں۔ ستاروں اور سیاروں کی دنیا میں وہ ہر آن متحرک ہے۔ مگر مدرسوں اور خانقاہوں میں وہ تقلید اور جمود پر راضی ہو گیا ہے۔ پھولوں اور پتیوں میں وہ خوش ذوقی کا دریا بہا رہا ہے۔ ہوا کے جھونکوں اور پانی کے جھرنوں میں وہ لطافت کا خزانہ بکھیر رہا ہے۔ آسمان کی وسعت اور پہاڑوں کی بلندی میں وہ خاموش عظمتوں کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ مگر انسانوں سے اس کو مطلوب ہے کہ وہ گدھے اور کوے کی طرح چیخیں اور احتجاج اور مطالبات کی غوغا آرائی کریں۔ ہری بھری گھاس سے لے کر نیلے آسمان تک ہر طرف انتہا حکمت نظر آتی ہے۔ ہر جگہ انتہائی بامعنی سرگرمیاں جاری ہیں۔ مگر اپنے بندوں سے خدا ایسی عبادات پر راضی ہے جس میں کچھ رٹے ہوئے الفاظ کو زبان سے دہرا لینے سے بڑے بڑے مقامات طے ہوتے ہیں اور عالی شان جنتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

کائنات کی سطح پر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ خدا کی دنیا رنگ اور خوشبو بکھیرنے والے پھولوں اور پیار اور بے نفسی کا سبق دینے والی چڑیوں کے لئے ہے۔ مگر دین کے ٹھیکیدار آج جس دین کا مظاہرہ کر رہے ہیں، اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی جنت گویا نکمے لوگوں کا کباڑ خانہ ہے یا مسخروں کی نمائش گاہ۔ حقیقت یہ ہے کہ جو دین آج مقررین اسلام اور مفکرین ملت ہر طرف تقسیم کر رہے ہیں، اس کو دین کہنا قرآن پر اتہام ہے۔ ایسا دین خدا کی اس عظیم اور حسین کائنات میں ایک مسخرہ پن کے سوا اور کچھ نہیں۔

خدا کی جنت لطیف ترین سرگرمیوں (یٰس ۵۵) کی ایک دنیا ہوگی۔ موجودہ دنیا میں وہ افراد چنے جا رہے ہیں جو ان اعلیٰ سرگرمیوں میں شرکت کے اہل ثابت ہو سکیں۔ یہ اہلیت حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر الٰہی اوصاف پیدا کرے (تخلقوا باخلاق اللّٰہ) وہ ذاتی میلانات کی پست سطح سے اوپر اٹھ جائے اور خدائی شعور کی بلند سطح پر جینے لگے۔ تقریری چمتکار یا عملیاتی کرشموں کو جنت کا دروازہ سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سرکس میں کمال دکھا کر سمجھے کہ وہ ملک کا وزیر اعظم بننے کا استحقاق پیدا کر رہا ہے۔

ایک لیڈر جب وزیر ہو جائے یا کسی بڑے سیاسی عہدہ پر پہنچ جائے تو اس کے بعد اس کے لئے اپنے محکمہ میں کوئی کام نہیں رہتا، اس کا کام ہمیشہ کسی ایسے مقام پر ہوتا ہے جو اس سے ہزاروں میل دور ہو۔ اس کے قدموں کے نیچے جو زمین ہے، وہ مسائل کا انبار لئے ہوئے کراہ رہی ہوگی، مگر یہ کراہ اس کو سنائی نہ دے گی۔ البتہ دور کے کسی مقام پر مسائل انسانی پر ایک سیمینار ہو رہا ہو تو اس کا افتتاح کرنے کے لئے اس کے پاس کافی وقت ہوگا۔ ہمارے حکمرانوں کی اسی روش کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک عظیم ملک اتنی لمبی مدت سے ان کے زیر انتظام ہے، مگر وہ ملک کو اس کے سوا کوئی اور تحفہ نہ دے سکے کہ اس کو مہنگائی، رشوت، بدعنوانی اور بے انصافی سے بھر دیں۔

یہی روایت ہمارے ملّی رہنماؤں میں بھی گھس آئی ہے۔ ہمارے رہنماؤں کی پہنچ اتنی بلند نہیں جتنی ملک کے سیاسی عہدہ داروں کی ہو سکتی ہے۔ تاہم اپنے دائرہ میں وہ بھی ٹھیک اسی عمل کو دہرا رہے ہیں جس کا نمونہ ان کے حکمرانوں نے ۴۰ سال سے قائم کر رکھا ہے۔ ہمارے ہر رہنما کا یہ حال ہے کہ اس کے قدموں کے نیچے اس کے لئے کوئی کام نہیں۔ چھوٹے رہنماؤں کی پرواز چند سو میل کے دائرہ تک محدود ہے۔ جو اس سے بڑے ہیں ان کا کام ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہوتا ہے اور جو اور بڑے ہیں وہ بین اقوامی دائرہ میں اپنی خدمات انجام دینے کے لئے کام پا رہے ہیں۔ غرض ہر ایک کا کام دور کے کسی علاقہ میں واقع ہے جہاں وہ چند روز کے لئے مہمان بن کر جائے اور اعزازات کے ماحول میں شاندار تقریر کر کے اس طرح لوٹے کہ دوبارہ اسی قسم کے کسی دور دراز مقام پر واقع ایک اسٹیج اس کے جلووں کا انتظار کر رہا ہو۔

بخدا یہ کام کرنے کا طریقہ نہیں۔ اگر ہمارے رہنماؤں کی یہ روش باقی رہی تو ۱۹۴۷ء کے بعد کے دور کو بھی ہم اسی طرح کھو دیں گے جس طرح اس سے پہلے کے دور کو ہم کھو چکے ہیں۔ کام کا یہ طریقہ صرف عالی شان قیادتیں وجود میں لا سکتا ہے وہ عالی شان قوم وجود میں نہیں لا سکتا۔ اس قسم کی قیادتیں قوم کو جو آخری وراثت دے سکتی ہیں، وہ صرف شاندار مقبرے ہیں۔ وہ قوم کو شاندار مستقبل تک نہیں پہنچا سکتیں۔

کیا لوگوں کو یہ ڈر نہیں کہ خدا کے یہاں ان سے پوچھا جائے گا کہ جو مواقع انھیں دئے گئے تھے ان کو انھوں نے کہاں خرچ کیا۔ یا وہ اتنے نادان ہیں کہ انھیں خبر ہی نہیں کہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے انھیں کیا کرنا چاہئے۔

ہار آخرت کی ہار ہے اور جیت آخرت کی جیت

قرآن کی سورہ نمبر ۶۴ میں ارشاد ہوا ہے :

یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ — جب اللہ تم کو جمع کرے گا جمع ہونے کے دن ۔ یہی دن ہے ہار جیت کا ۔

تغابن کا لفظ ایسے معاملہ کے لئے بولا جاتا ہے جب کہ ایک فریق نیچا رہے اور دوسرا فریق اونچا ۔ ایک کو گھاٹا ہو اور دوسرا نفع اٹھالے جائے ۔ مطلب یہ کہ لوگ غلط فہمی سے اسی دنیا کو ہار جیت (تغابن) کا دن سمجھے ہوئے ہیں ۔ حالانکہ ہار جیت کا دن تو دراصل آخرت ہے ۔ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مقاتل بن حیان نے کہا ہے :

لاغبن اعظم من ان یدخل ھؤلاء الی الجنۃ ویذھب باولئک الی النار (ابن کثیر) — کوئی ہار جیت اس سے بڑی نہیں کہ ایک گروہ کو جنت میں داخل کیا جائے اور دوسرے گروہ کو جہنم میں ڈالا جائے ۔

دنیا میں شہرت، عزت، دولت، اقتدار اور عیش کے بے شمار مواقع کھلے ہوئے ہیں ۔ ہر شخص اپنے اپنے حالات کے مطابق ان کی طرف دوڑ رہا ہے ۔ جو شخص ان مواقع میں سے کوئی حصہ اپنے لئے پا لیتا ہے اس کے اندر فخر کی نفسیات پیدا ہو جاتی ہیں ۔ وہ اپنے کو کامیاب سمجھنے لگتا ہے ۔ اس کے برعکس جو شخص ان کو نہیں پاتا، اس کو لوگ حقیر سمجھنے لگتے ہیں ۔ عام خیال یہ ہو جاتا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گیا ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ، شعوری یا غیر شعوری طور پر، اسی دنیا کو ہار جیت کی جگہ سمجھتے ہیں ۔ ان کا ذہن یہ ہو جاتا ہے کہ اسی دنیا کی جنت، جنت ہے اور یہیں کی دوزخ، دوزخ ۔ قرآن نے بتایا کہ یہ محض دھوکا ہے ۔ ہار جیت تو دراصل وہ ہے جو اگلی زندگی میں سامنے آنے والی ہے ۔ وہ لوگ جو دنیا میں اپنے کو فاتح سمجھتے ہیں، جب پردہ ہٹے گا تو یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ اصل حقیقت تو کچھ اور تھی ۔ وہاں جا کر معلوم ہو گا کہ کون گھاٹے میں رہا اور کون نفع کما لے گیا ۔ اصل میں دھوکا کس نے کھایا اور کون ہوشیار نکلا ۔ کون زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گیا اور کون آگے بڑھنے والا ثابت ہوا ۔ کس نے اپنی صلاحیتوں کو نتیجہ خیز کام میں لگایا اور کون تھا جس نے اپنی تمام توانائیوں کو وقتی تماشوں میں برباد کر ڈالا ۔

حقیقت یہ ہے کہ ہار اسی کی ہے جو آخرت میں ہارا اور جیت صرف اس کی ہے جس کو آخرت میں جیت حاصل ہوئی ۔ وہ لوگ جو دنیوی مصلحتوں میں مہارت دکھا کر آج کی دنیا میں عزت اور ترقی حاصل کر رہے ہیں، کل کی دنیا میں ان کی یہ مہارتیں بالکل بے کار ثابت ہوں گی ۔ مرنے کے بعد جب وہ آخرت کے عالم میں پہنچیں گے تو وہاں کے حالات میں عزت کی جگہ پانے کے لئے وہ اسی طرح اپنے آپ کو نااہل پائیں گے جس طرح ایک قدیم طرز کا دستکار روایتی ماحول میں باکمال نظر آتا ہے لیکن اگر اس کو ٹکنکل معاشرہ میں پہنچا دیا جائے تو وہ بالکل بے قیمت ہو جائے گا ۔

ہمارے اور آخرت کے درمیان صرف ایک غیر یقینی دیوار حائل ہے

چسنالا (دھنباد) میں ایک پرانی کوئلہ کی کان تھی جو ۱۹۴۵ سے بند تھی۔ ساڑھے چار سو فٹ گہری اس کان میں دھیرے دھیرے پانی بھر گیا۔ اس سے ۸۰ فٹ کے فاصلہ پر دو سال پہلے ایک اور کان کھودی گئی۔ عالمی بنک اور بیرونی ماہرین کی مدد سے تیار کی ہوئی یہ کان جدید طرز کی مشینوں سے آراستہ تھی۔

۲۷ دسمبر ۱۹۷۵ء کو اس کان میں ایک بھیانک حادثہ ہوا۔ دونوں کانوں کے درمیان ۸۰ فٹ کا فاصلہ کافی محفوظ فاصلہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر اچانک اس کے اندر تقریباً ۶ فٹ چوڑا انشگاف ہوگیا اور اس کے اندر سے پرانی کان کا پانی نئی کان میں اتنی تیزی سے داخل ہوا کہ صرف تین منٹ کے اندر نئی کان بھر گئی۔ ۳۷۲ مزدور اور انجنیئر جو اس وقت کان کے اندر کام کر رہے تھے ایک سو ملین گیلن سے بھی زیادہ پانی کے سیلاب میں غرق ہوگئے۔ صرف ایک شخص بھگوان سنگھ (مونگیر) بچا جو حادثہ سے صرف چند منٹ پہلے باہر آگیا تھا۔

یہ واقعہ حیرت انگیز طور پر ہماری زندگی کی تصویر ہے۔ ہماری موجودہ دنیا اور آخرت کی دنیا کے درمیان موت کی غیر یقینی دیوار حائل ہے۔ ہر آن یہ اندیشہ ہے کہ یہ دیوار ٹوٹ جائے اور آخرت کے حقائق ایک بے پناہ سیلاب کی طرح ہمارے اوپر پھٹ پڑیں۔ اس وقت کوئی زور اور کوئی لفظی بازی گری کام نہ آئے گی۔ آدمی بالکل بے سہارا ہو کر اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہوگا۔ وہ سارے لوگ ناکامی اور بربادی کے دائمی جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے جو دنیا کی دلفریبیوں میں اس قدر گم تھے کہ کوئی نصیحت کی بات سننے کے لئے تیار ہی نہ ہوتے تھے صرف وہ شخص بچے گا جس نے مالک کائنات کے سامنے حساب کے لئے پیش ہونے سے پہلے خود اپنا حساب کر لیا ہوگا۔

بہت سے دیوار اٹھانے والے اپنی دیوار کو گرا رہے ہیں۔

بہت سے لوگ جو اپنے کو دوسروں سے بڑا سمجھ رہے ہیں، وہ دوسروں کے پیروں تلے روندے جائیں گے۔

یہ اس دن ہوگا جب خدا اپنے فرشتوں کے ساتھ ظاہر ہوگا، جب سارے انسانوں سے پوچھا جائے گا کہ انھوں نے اپنے پیچھے کیا چھوڑا اور اپنے آگے کے لئے کیا روانہ کیا۔

آخرت کے لئے کوئی شخص جو کچھ کر سکتا ہے، اسی موجودہ زندگی ہی میں کر سکتا ہے۔ اور اس زندگی کی مدت بہت کم ہے۔ کتنے لوگ ہیں جن کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ اسی طرح جو لوگ آج ہم کو دیکھ رہے ہیں، ایک وقت آئے گا کہ ہم ان کے دیکھنے کے لئے اس دنیا میں موجود نہ ہوں گے۔ ہم اپنی عمر پوری کر کے اپنے رب کے پاس جا چکے ہوں گے۔ ہماری موجودہ زندگی وہ پہلا اور آخری لمحہ ہے جب کہ انسان اپنے ابدی مستقبل کی تعمیر کے لئے کچھ کر سکتا ہے۔ نہ اس سے پہلے ایسا کوئی موقع انسان کو ملا تھا اور نہ اس کے بعد ایسا کوئی موقع انسان کو ملے گا۔ ہم ایک ایسے امتحان سے گزر رہے ہیں جس کا ایک لازمی نتیجہ سامنے آنے والا ہے۔ اور بہت جلد ہم ایک ایسے لازمی نتیجہ سے دوچار ہوں گے جس کے بعد پھر کسی تیاری کا کوئی موقع نہیں۔ زندگی کا ہر لمحہ جو آپ صرف کر رہے ہیں، آخری طور پر صرف کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ پھر واپس آنے والا نہیں ہے۔

میں نے سمجھا تھا ---

- میں نے سمجھا تھا کہ دلیل میں وزن ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ طاقت اپنے اندر اس سے بھی زیادہ وزن رکھتی ہے۔
- میں نے سمجھا تھا کہ کارکردگی سے انسان تسلیم کیا جاتا ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ لیاقت کا سب سے بڑا سرٹیفکٹ موقع پرستی ہے۔
- میں نے سمجھا تھا کہ عہدے اور مناصب کام کرنے کے مواقع ہیں مگر معلوم ہوا کہ یہ سب محض اعزاز کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں۔
- میں نے سمجھا تھا کہ لوگ جو کچھ زبان سے کہتے ہیں وہی ان کے دل میں بھی ہوتا ہے مگر معلوم ہوا کہ ان دونوں میں کوئی تعلق نہیں۔
- میں نے سمجھا تھا کہ لوگ مقاصد کے علم بردار ہیں مگر معلوم ہوا کہ اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے سوا لوگوں کو کسی چیز سے دل چسپی نہیں۔
- میں نے سمجھا تھا کہ جو لوگ خدا کی باتیں کرتے ہیں وہ خدا سے ڈرتے بھی ہیں مگر معلوم ہوا کہ خدا ان کے لئے ایک تجارتی عنوان کے سوا اور کچھ نہیں۔
- میں نے سمجھا تھا کہ لوگ اصلاح چاہتے ہیں مگر معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اپنا مفاد عزیز ہے خواہ وہ دوسروں کو برباد کر کے ہی کیوں نہ حاصل ہو۔
- میں نے سمجھا تھا کہ ایک انسان دوسرے انسان کا خیر خواہ ہے مگر معلوم ہوا کہ ہر ایک دوسرے کا استحصال کر رہا ہے۔
- میں نے سمجھا تھا کہ جنت کا راستہ وسیع اور جہنم کا راستہ تنگ ہے مگر معلوم ہوا کہ سب سے وسیع راستہ وہ ہے جو جہنم کی طرف جاتا ہے۔

سیاست جب نشہ بن جائے

مکھن بنانے والی کوئی کمپنی اگر اپنے مکھن کی پیکنگ پر لکھ دے: "یہ مکھن صحت کے لئے مضر ہے" تو اس کا مکھن کوئی بھی شخص نہیں خریدے گا۔ ایسی کمپنی چند ہی روز میں دیوالیہ ہو جائے گی۔ مگر جدید قوانین کے تحت سگرٹ کا ہر پیکٹ جو سگرٹ ساز کمپنی سے تیار ہو کر بازار میں آتا ہے۔ اس پر جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے:

CIGARETTE SMOKING IS INJURIOUS TO HEALTH

(سگرٹ پینا صحت کے لئے مضر ہے) مگر اس سے سگرٹ کی خریداری میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سگرٹ پینے والوں کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے۔ سگرٹ سازی کا کاروبار آج بھی دنیا بھر میں سب سے زیادہ نفع بخش کاروبار سمجھا جاتا ہے۔

اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکھن ایک مفید غذا ہے۔ اس کو آدمی صحت اور طاقت حاصل کرنے کے لئے کھاتا ہے۔ اس لئے جب کسی مکھن کی یہ حیثیت مشتبہ ہو جائے تو وہ فوراً اس کو چھوڑ دے گا۔ مگر سگرٹ کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اس کے ساتھ غذائی افادیت کا کوئی تصور وابستہ نہیں۔ سگرٹ صرف نشہ حاصل کرنے کے لئے پیا جاتا ہے اور نشہ کا فائدہ سگرٹ میں اس وقت بھی پوری طرح موجود ہوتا ہے جب کہ صحت کے اعتبار سے اس کا مضر ہونا ثابت ہو گیا ہو۔ جب اصل مقصد حاصل ہو رہا ہو تو کوئی شخص کیوں اُسے چھوڑے۔

اسی طرح اگر کچھ لوگوں کو "سیاست" کا چسکا لگ جائے تو خواہ کتنے ہی یقینی دلائل سے اس کا بے حقیقت ہونا ثابت کر دیا جائے بہر حال لوگ اس سے چمٹے رہیں گے۔ وہ کسی بھی طرح اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔ کیونکہ دلائل کی کوئی بھی مقدار سیاست سے نشہ کی کیفیت چھین نہیں سکتی۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ سیاست تمام نشہ آور چیزوں میں سب سے زیادہ نشہ کی چیز ہے۔ سگرٹ اور بھنگ کا نشہ اتر سکتا ہے۔ مگر سیاست کا نشہ کبھی آدمی سے نہیں اترتا۔ آپ دلائل کا انبار جمع کر دیجئے۔ تجربات اس کے بے فائدہ ہونے کا عملی ثبوت دیتے چلے جائیں۔ مگر جن لوگوں کو سیاست کا نشہ لگ گیا ہے۔ تخیلات کی دنیا میں بدستور وہ اپنا سیاسی رومان جاری رکھیں گے۔ موت کے سوا کوئی طاقت نہیں ہے جو ان کے اور سیاست کے درمیان تفریق کرا سکے۔ اور اگر اتفاق سے سیاست میں کسی نے ملی ترقی کا راز دریافت کر لیا ہو یا کسی کو ایسی قرآنی ڈکشنری مل گئی ہو جس میں دین کے معنی سیاست لکھے ہوئے ہوں تو ایسے لوگوں کو سیاسی مشغلہ سے ہٹانا شاید اس وقت سے پہلے ممکن نہیں جب کہ خدا خود ظاہر ہو کر کہہ دے کہ یہ وہ دین نہیں جو مجھ کو مطلوب تھا۔ یہ تو وہ دین ہے جو تم نے خود سے گھڑ لیا تھا۔

ایسی شاندار چیزیں خدا کے یہاں کہاں!

نئی دہلی کے بین اقوامی صنعتی میلے (۱۹۶۱) میں امریکہ کی طرف سے ایک ہوائی موٹر کی نمائش کی گئی تھی۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ زمین پر بھی دوڑتی تھی اور ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوا میں بلند ہو کر بھی اڑتی تھی۔ ایک نوجوان سادھو جب نمائش کے مختلف عجوبوں اور رنگینیوں کو دیکھتا ہوا امریکی پویلین کے پاس پہنچا اور اس جادوئی گاڑی کو اڑتے اور دوڑتے ہوئے دیکھا تو اس کے ذہن میں ایک نیا سوال پیدا ہو گیا "کیا میں تیاگ اور قربانی کی زندگی کو چھوڑ کر مادی ترقیات کی دنیا میں اپنے حوصلوں کی تسکین ڈھونڈوں" سادھو نے کہا۔ گیرو ے کپڑے میں ملبوس اور لمبے بکھرے ہوئے بالوں والا یہ ہندستانی نوجوان ۲۰ منٹ تک اس امریکی موٹر کو دیکھتا رہا جس کو نمائش کے ذمہ داروں نے "مستقبل کی کار" کا نام دیا تھا۔ جب اس کے بارے میں سادھو کا تبصرہ پوچھا گیا تو اس نے گہرے تاثر کے ساتھ جواب دیا: "اس نے مجھے اس سوچ میں ڈال دیا ہے کہ دونوں دنیاؤں میں سے وہ کون سی دنیا ہے جس کو میں اپنے لئے زیادہ بہتر سمجھوں"۔ (ہندوستان ٹائمس - ۲۰ نومبر ۱۹۶۱ء)

اسی قسم کا ایک اور واقعہ پڑھئے۔

جولائی۔ اگست ۱۹۷۵ء میں بہار میں ہولناک سیلاب آیا تھا۔ اس میں بہت سے خاندان بے گھر ہو کر مجبور ہوئے کہ کسی دوسری جگہ اپنے لئے پناہ گاہ تلاش کریں۔ انھیں مصیبت زدگان میں ایک غریب مسلم خاندان دہلی آیا۔ گھر کا مرد طوفان میں ختم ہو چکا تھا۔ ۱۲ سال کے یتیم لڑکے شریف اور اس کی دبلی اور بیمار ماں کو جو امید دہلی لائی، وہ یہ تھی کہ اس کا داماد یہاں رکشا چلا کر اپنی روزی کما رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ رکشا کھینچنے والا ایک شخص دو خاندانوں کی پرورش کس طرح کر سکتا تھا۔ شریف کو ملازمت تلاش کرنی پڑی۔ اولاً کچھ دنوں ایک معمولی ہوٹل میں پلیٹیں دھوتا رہا۔ اس کے بعد ایک خوش حال مسلم خاندان میں اس کو گھریلو کاموں کے لئے ۵۰ روپے ماہوار پر جگہ مل گئی۔

شریف ایک انتہائی غریب خاندان کا لڑکا تھا۔ اس دنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد اسے جو بستر ملا وہ زمین پر بچھا ہوا ایک ٹاٹ تھا۔ اب تک کی زندگی اس نے اس طرح گزاری کہ نہ کبھی اس کے پاؤں میں جوتا پڑا اور نہ جسم پر پورا لباس پہننے کو ملا۔ سردیوں کی رات کے معنی اس کے نزدیک صرف یہ تھے کہ لکڑی کے ٹکڑے اور پتیاں جمع کر کے کچھ دیر آنچ اور دھوئیں میں گزارے جائیں اور اس کے بعد ایک پھٹا ہوا ٹاٹ بچھا کر دوسرا پھٹا ہوا ٹاٹ اوپر سے لپیٹ لیا جائے۔

دسمبر کی ایک صبح کو جب کہ شریف مالکہ مکان کا بستر سمیٹ رہا تھا۔ اچانک ایک خیال اس کے دماغ میں رینگا۔ مسہری کے اوپر بچھا ہوا موٹا نرم گدا، اس کے اوپر خوبصورت چادر اور مخملی کپڑے میں بنا ہوا شاندار لحاف، ان چیزوں نے اس کو تھوڑی دیر کے لئے مبہوت کر دیا۔ "آپا"، وہ مالکہ کی لڑکی سے بولا "کیا اللہ میاں کے یہاں ایسا بستر ہوگا۔" وہ اپنے اس سوال میں اتنا گم تھا کہ وہ یہ بھی نہ سن سکا کہ لڑکی یہ کہتی ہوئی چلی گئی ہے "بیوقوف، وہاں تو اس سے بھی اچھے بستر ہوں گے"۔

گہرائی کے ساتھ دیکھئے تو موجودہ زمانے میں سارے لوگ اسی نفسیات میں مبتلا نظر آئیں گے۔ چھوٹے بڑے امیر غریب، عالم جاہل، سب کے سب دنیا کی دلفریبیوں پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ لذت، دولت، شہرت، عزت، مرتبہ اقتدار، غرض دنیا کی چیزوں میں سے کسی چیز کا ایک ذرہ بھی اگر کسی کے سامنے آگیا ہے تو وہ اس کی طرف اس طرح دوڑ رہا ہے

گویا زبان حال سے یہ کہہ رہا ہو" خدا کے یہاں بھلا ایسی شان دار چیزیں کہاں ملیں گی، پھر کیوں نہ اسی دنیا میں جو کچھ ملے اس کو حاصل کر لیا جائے"۔

سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں مذہبی لوگوں کا حال بھی وہی ہے جو دوسرے اہل دنیا کا ہے۔ موجودہ زمانے میں جو دنیوی امکانات ان کے لئے کھلے ہیں ان کی طرف دوڑ بھاگ میں وہ دوسروں سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہیں ——— عہدوں اور مناصب کی دھوم، صدارت ونظامت کے اعزازات، جلسوں اور جلوسوں کی نمائش۔ بین اقوامی کانفرنسوں کے لئے پرواز، ایڈریس اور استقبال کے تماشے، اخبارات کی سرخیوں میں چھپنا اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کا شوق ان کو بھی اتنا ہی ہے جتنا کسی عام دنیا دار کو ہو سکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص آخرت پر تقریر کر رہا ہے اس کو بھی آخرت کا یقین نہیں۔ اگر ہے تو بہت کم۔

ایک کامیاب ترین انسان جب موت کے دروازہ پر پہنچتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ دروازہ کے دوسری طرف اس کے لئے مایوسی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں

ہوورڈ ہیوز امریکہ کا ایک ممتاز ترین ارب پتی تھا۔ اپریل ۱۹۷۶ میں ایک ہوائی سفر کے دوران اس پر دل کا حملہ ہوا۔ اس کے ہوائی جہاز کو فوراً ہاؤسٹن میں اتار لیا۔ مگر اسپتال پہنچنے سے پہلے وہ ختم ہو چکا تھا۔

اپنے قانون داں باپ سے اس کو ایک ملین ڈالر بطور وراثت ملے تھے۔ مگر اس نے اپنی غیر معمولی تجارتی صلاحیت سے اپنے سرمایہ کو ۲۰۰۰،۰۰۰ کروڑ ڈالر سے بھی زیادہ بڑھا لیا۔ اس کے ہوائی جہاز کا عملہ جو اس کے ساتھ شریک سفر تھا اس نے اس کے آخری لمحات کے بارے میں جو چشم دید تاثرات بیان کئے اس کی بنیاد پر مشہور امریکی آرٹسٹ شرل سالومن نے اس کا خاکہ تیار کیا ہے۔ اس خاکہ میں اس کے سفر حیات کے آخری لمحات کو مصور کیا گیا ہے ——— امریکہ کا کامیاب ترین تاجر اس خاکہ میں وحشت، مایوسی، بے چارگی، ناکامی اور بے یقینی کا مجسمہ نظر آتا ہے۔ امریکی تاجر

کی یہ وحشت ناک تصویر اس کیفیت کو مجسم کر رہی ہے جو ایک آدمی کی اس وقت ہوتی ہے جب وہ موت کے دروازے پر پہنچ چکا ہو اس کے پیچھے وہ زندگی ہو جس کو وہ چھوڑ چکا اور آگے وہ زندگی ہو جس میں اب وہ ہمیشہ کے لئے داخل ہو جائے گا۔
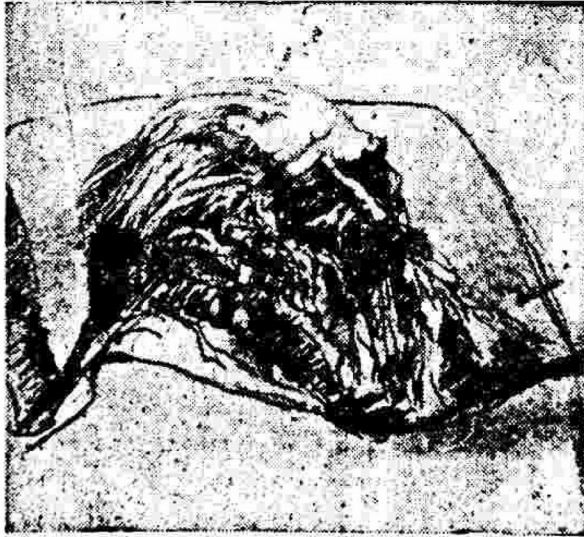
This is how a multi-millionaire looked in the last moments of his life—a sketch of the American legendary figure, Howard Hughes, who died en route from Acapulco (Mexico) to Methodist Hospital, Houston. The sketch was drawn by an artist on the basis of details furnished by the pilots who flew him.

اپنے معاملہ میں ہوشیار
دوسرے کے معاملہ میں بیوقوف

یوگنڈا کے صدر عیدی امین نے وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی کو مبارک باد کا خط بھیجا ہے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کے نام بھی ایک خط روانہ کیا ہے جس میں اس بات کا شکریہ ادا کیا ہے کہ ان کی حکومت نے ہندوستان اور یوگنڈا کے درمیان اچھے تعلقات قائم رکھے۔

صدر عیدی امین نے اندرا گاندھی کے نام اپنے خط میں لکھا ہے:

I personally support those who have described you as a very intelligent leader, because soon after accepting defeat you and your government lifted at the right time the 21 month state of emergency imposed by yourself and which brought imprisonment without trial. This timely decision by yourself and your government to lift the emergency relieved our minds because it would have been possible for the same emergency regulations to be used against those who have now lost power.

Hindustan Times, March 30, 77

"میں ذاتی طور پر ان لوگوں سے اتفاق کرتا ہوں جن کی رائے یہ ہے کہ آپ نہایت ذہین لیڈر ہیں۔ کیونکہ اپنی شکست تسلیم کرنے کے فوراً بعد آپ نے اور آپ کی حکومت نے نہایت صحیح وقت پر اکیس ماہ کی ایمرجنسی کو ختم کر دیا جس کو آپ نے نافذ کیا تھا اور جس کے تحت لوگوں کو بغیر عدالتی کارروائی کے قید کیا جا سکتا تھا۔ ایمرجنسی کو ختم کرنے کے بارے میں آپ اور آپ کی حکومت کے اس بروقت اقدام کے بعد ہم نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ یہ ممکن تھا کہ اسی ایمرجنسی کے قوانین کو نئی حکومت ان لوگوں کے اوپر استعمال کرے جنھوں نے اب اقتدار کھو دیا ہے۔"

اندرا حکومت سے الیکشن کا نتیجہ سامنے آنے سے پہلے ایمرجنسی ہٹانے کے لئے کہا جاتا تھا تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایمرجنسی کے جاری رہنے سے کسی کا کیا نقصان ہے۔ مگر ۲۰ مارچ کی شب کو جب الیکشن کے نتائج کا اعلان ہوا تو اس حکومت کو ایمرجنسی کی حقیقت سمجھنے میں ایک منٹ کی دیر نہیں لگی۔ اس نے راتوں رات میٹنگ کر کے ایمرجنسی کے مکمل خاتمہ کا اعلان کر دیا۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے معاملہ میں آدمی کتنا ہوشیار ہوتا ہے اور دوسرے کے معاملہ میں کتنا بے وقوف۔ آج کی دنیا میں جس شخص کا بھی تجربہ کیجئے، تقریباً بلا استثنا آپ پائیں گے کہ وہ اپنے موافق پہلو کو سمجھنے کے لئے انتہائی ذہین ہے۔ اس کے برعکس جب معاملہ دوسرے کے موافق پہلو کو سمجھنے کا ہو تو وہ ایسا بے وقوف بن جاتا ہے، جیسے اس کو کچھ آتا ہی نہیں۔ جیسے کہ وہ اینٹ پتھر ہے نہ کہ انسان۔

ہوشیاری کی یہ قسم آدمی کے اوپر بہت بڑا وبال ہے۔ ایسا کر کے دراصل وہ عالم حقیقی کے آگے اپنے خلاف خود حجت قائم کر رہا ہے۔ اگر آدمی اپنی باتوں میں بھی بے وقوفی ظاہر کرتا تو شاید وہ خدا کی پکڑ سے بچ جاتا۔ مگر اپنی باتوں میں ہوشیاری اور دوسرے کی باتوں میں بے وقوفی اس کو خدا کی پکڑ سے بچا نہ سکے گی۔ کیونکہ اپنی باتوں میں ہوشیاری دکھا کر وہ ثابت کر چکا ہے کہ دوسرے کی باتوں میں بھی وہ اتنا ہی ذہین اور ہوشیار ہو سکتا تھا۔

جو اپنے کو جہنم کے دروازہ پر کھڑا ہوا پائے وہی جنت میں داخل ہوگا۔

جو چپ رہنے لگے اس کو بولنا آگیا ______

جو بے عزتی پر راضی ہو جائے اس نے اپنی عزت کو بچا لیا ______

جو خاموش آوازوں کو سننے لگے وہی کان والا ہے۔ ______

جس کو اپنی برائیاں دکھائی دینے لگیں وہی قابل تعریف ہے ______

جو اپنے سے آغاز کرے وہی دوسروں تک پہنچے گا ______

جو اپنی غلطی کو مان لے وہی صحیح راستہ پر ہے ______

جس کی نظر میں تمام چیزیں بے لذت ہو جائیں اس نے لذت کا راز پالیا ______

جو اپنے کو بے علم جانے وہی علم والا ہے۔ ______

وہی آدمی باشعور ہے جس نے اپنے لاشعور کو جان لیا ______

جو کمزوروں سے ڈرے وہی طاقت ور کی پکڑ سے بچ سکتا ہے ______

جو دوسروں کو دیتا ہے اسی نے اپنے آپ پر خرچ کیا ______

جو اپنے معاملات میں نادان ہو جائے وہی ملت کے معاملات میں ہوشیار ثابت ہوگا۔

جس کو اپنے منافق ہونے کا اندیشہ ہو وہی ایمان والا ہے ______

جو کھونے والا ہے اسی نے در اصل پایا ______

جس کو ہارنا آجائے اس کو کوئی ہرا نہیں سکتا ______

اپنی محبوب شخصیتوں کے چرچے ہیں مگر خدا کے چرچے نہیں

کوئی تحریک کیسی ہے، اس کو جاننے کا سب سے زیادہ یقینی ذریعہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس سے جو لوگ متاثر ہوتے ہیں ان میں کیسا مزاج بنتا ہے۔ دور اول میں قرآن نے صحابہ کے اندر جو مزاج پیدا کیا، وہ خدا پرستی اور آخرت پسندی کا مزاج تھا۔ ان میں کے چند آدمی جب ایک جگہ بیٹھتے تو وہ خدا و آخرت کے چرچے کرتے، ان کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جاتا تو ان کو خدا یاد آتا۔ ہوا اگر تیز ہو جاتی، تب بھی وہ کانپ جاتے کہ کہیں قیامت نہ آگئی ہو۔

موجودہ زمانہ میں اسلام کے نام پر جو تحریکیں اٹھیں اور ان سے جو لوگ متاثر ہوئے، ان کو دیکھئے تو کسی میں یہ مزاج دکھائی نہ دے گا ——— کسی تحریک نے یہ مزاج پیدا کیا ہے کہ اس کے چند وابستگان جب کہیں اکٹھا ہوتے ہیں تو ان کا سب سے زیادہ محبوب مشغلہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے بزرگوں کی فضیلتیں اور کرامتیں بیان کریں۔ کسی تحریک نے اپنے لوگوں کو ایک قسم کا عملیاتی اسلام تقسیم کر رکھا ہے اور اس کا ہر فرد اس کے طلسماتی فوائد کا ٹیپ ریکارڈ بنا ہوا ہے۔ کسی تحریک نے اسلام کے نام پر ایک عجیب و غریب قسم کا سیاسی مزاج بنایا ہے۔ اس کے متاثر افراد کا لذیذ ترین موضوع گفتگو صرف وہ چیزیں ہوتی ہیں جن میں سیاست کی چاشنی ہو۔ وہ وہیں متحرک ہوتے ہیں جہاں کوئی سیاسی اقدام کا موقع ہو۔ خواہ یہ سیاسی اقدام عملاً سیاسی خندق میں چھلانگ لگانے کے ہم معنی کیوں نہ ہو۔

آج کل جس اسلامی گروہ کو دیکھئے سب کا یہی حال نظر آئے گا۔ ان کی مجلسوں میں اپنے "حضرت" کے چرچے ہیں۔ مگر خدا کے چرچے نہیں۔ ان کی زبانوں پر کراماتی اسلام کی داستانیں ہیں۔ مگر اس اسلام کی گونج نہیں جو خدا کا خوف اور بندوں کی خیر خواہی پیدا کرتا ہے۔ ان کے یہاں سیاسی مسائل پر بحثیں ہیں۔ مگر قیامت میں قائم ہونے والی عظیم عدالت کے ذکر سے ان کی صحبتیں خالی ہیں۔ ان حالات میں بڑی بڑی اسلامی تحریکوں کے وجود میں آنے کے باوجود اگر اسلام سربلند نہ ہو رہا ہو تو تعجب کی کوئی بات نہیں، کیونکہ خدا کی نصرت خدا والے دین پر نازل ہوگی نہ کہ ہمارے اپنے بنائے ہوئے دین پر۔

خدا سے ڈر کی پہچان یہ ہے کہ آدمی انسان سے ڈرنے لگے۔ اس معنی میں نہیں کہ جو زور آور ہو یا جس سے کوئی مفاد وابستہ ہو، اس سے آپ ڈریں۔ یہ تو دنیا پرستی بلکہ شرک ہے۔ انسان سے ڈرنے کا مطلب صاحب حقوق سے ڈرنا ہے۔ یہ سمجھ کر لوگوں سے معاملہ کرنا کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کا خدا کھڑا ہوا ہے اور وہ ہمیشہ اس کا ساتھ دیتا ہے جس کی حق تلفی کی جائے۔
جو شخص ایک کمزور صاحب حق کو اس بنا پر نظرانداز کر دے کہ اس کی طرف سے اس کو کسی نقصان کا خوف نہیں ہے، وہ یقیناً خدا کے خوف سے بھی خالی ہے۔

بہت سے چمک دار سکے آخرت کے بازار میں کھوٹے ثابت ہوں گے

سعدی شیرازی کا ایک شعر ہے

بزرگ زادہ ناداں بہ شہروا ماند
کہ در دیار غریبش بہ ہیچ نستانند

"شہروا" کے معنی ہیں رواج دادۂ حکومت۔ اس سے مراد وہ نقود یا سکے ہیں جن کو کسی حکومت نے رائج کر رکھا ہو۔ ایسے سکے کی قیمت صرف اس حکومت کے حدود میں ہوتی ہے۔ اس سے باہر اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ سعدی شیرازی کہتے ہیں کہ بڑے آدمی کے کوئی صاحبزادے جو خود ناداں ہوں، وہ اپنے وطن میں اپنے باپ کی وجہ سے عزت دار بنے رہتے ہیں، مگر اپنے وطن سے باہر اسی طرح بے قیمت ہو جاتے ہیں جس طرح ایک ملک کا نوٹ دوسرے ملک میں اپنی قیمت کھو دیتا ہے۔

موجودہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو آزاد

خواہ دنیا میں وہ کتنے ہی

کامیاب دکھائی دیتے ہوں

چھوڑ دیا ہے۔ جو لوگ شیطان کے پسند کئے ہوئے راستوں پر چلتے ہیں، ان کو یہاں بہت جلد عزت اور ترقی حاصل ہو جاتی ہے۔ مگر اس قسم کے لوگ جیسے ہی اگلی دنیا میں داخل ہوں گے وہ بالکل بے قیمت ہو جائیں گے۔ کیونکہ اگلی دنیا وہ ہے جہاں شیطان کی عمل داری مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے۔ جو لوگ شیطان کی سرپرستی کی وجہ سے موجودہ دنیا میں عزت دار بنے ہوئے تھے وہ وہاں مکھی اور مچھر سے زیادہ بے قیمت ہوں گے کیوں کہ وہاں عزت صرف اس کے لئے ہے جس کو خدا اپنی سرپرستی میں لے لے۔

موجودہ صدی کے ربع اول کے آخر میں خلافت تحریک اٹھی اور سارے ملک میں طوفان کی طرح پھیل گئی۔ یہ تحریک اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے سیاسی تھی۔ مگر تحریک نے جو نعرے اور دلائل استعمال کئے وہ سب مذہبی تھے۔ چنانچہ جو لوگ اس تحریک سے متاثر ہوئے ان میں مذہبیت اتنے زور شور کے ساتھ پیدا ہوئی کہ "قرآن کی تلاوتیں اور تہجد کی نمازیں بھی عام فیشن بن گئیں"

یہ مثال بتاتی ہے کہ کس طرح ایک سیاسی تحریک بھی مذہبی اخلاقیات پیدا کر دیتی ہے۔ اگرچہ اس قسم کی اخلاقیات کی کوئی اسلامی قیمت نہیں۔ اسلامی قیمت صرف ان اخلاقیات کی ہے جو جہنم کے شعلوں کو دیکھ کر آدمی کے اندر ابھری ہو نہ کہ سیاسی مسائل کو دیکھ کر ——— دنیا کے لحاظ سے ان اخلاقیات کی اہمیت ہے جو دیرپا ہوں اور آخرت کے لحاظ سے وہ اخلاقیات اہمیت رکھتی ہیں جو خدا کے سامنے جوابدہی کے احساس سے ابھری ہوں۔ مگر ہنگامی تحریکوں میں دونوں میں سے کوئی قدر بھی موجود نہیں ہوتی۔

جب خیمے اکھاڑ دیئے جائیں گے

شریمتی اندرا گاندھی کی ہار (۱۹۷۷) میں لوگوں کو صرف سیاست کا منظر نظر آرہا ہے۔ لیکن اگر دیکھنے والی آنکھیں ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ سے لوگوں کو قیامت کا منظر دکھا دیا ہے۔

الہ آباد ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس جے۔ ایم۔ ایل سنہا نے ۱۲ر جون ۱۹۷۵ کو ایک فیصلہ دیا جس میں سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کے الکشن (۱۹۷۱) کو ناجائز قرار دیا گیا تھا۔ مگر اندرا گاندھی کی اولوالعزم طبیعت نے ہار نہیں مانی۔ انھوں نے اپنے عہدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۲۵ر جون ۱۹۷۵ کی رات کو ایمرجنسی لاگو کر دی۔

اب سارے ملک میں ایک نیا عمل شروع کر دیا گیا۔ تمام ناپسندیدہ افراد جیلوں میں بند کر دیئے گئے۔ مخالف جماعتوں کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ پریس پر سنسر قائم کر دیا گیا۔ ہر قسم کے اشاعتی ذرائع کو مکمل طور پر سرکاری پروپیگنڈے کے لئے وقف کر دیا گیا۔ عدالت کو ایک آزاد ادارہ کی حیثیت سے ختم کر دیا گیا۔ دستور میں ترمیمیں کر کے اس کو مکمل طور پر اپنے موافق بنا لیا گیا۔ ایسے قوانین جاری کئے گئے جن کے تحت حکومت کسی بھی شخص کو جرم بتائے بغیر گرفتار کر سکتی تھی اور نامعلوم مدت تک کے لئے اس کو جیل میں محبوس رکھ سکتی تھی۔ اپنی پوزیشن کو یہاں تک محفوظ کیا گیا کہ دستور میں چالیسویں ترمیم کے ذریعے طے کر دیا گیا کہ وزیر اعظم اپنے کسی بھی عمل کے لئے کسی بھی ملکی عدالت میں جواب دہ نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ حکومتی عہدہ سے الگ ہونے کے بعد بھی نہیں۔ اس طرح کی بے شمار تدبیروں کے ذریعہ سابق وزیر اعظم نے ملک میں اپنی پوزیشن کو اتنا زیادہ مضبوط کر لیا جتنا شاید پوری تاریخ میں کبھی کسی حکمراں نے نہیں کیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کو یہ اعلان کرنے کی جرأت ہوئی کہ "ایمرجنسی سے پہلے والے حالات اب کبھی واپس نہیں آئیں گے" ان کو یقین تھا کہ نہ صرف وہ آخر تک ملک کے اقتدار پر قابض رہیں گی بلکہ ان کے بعد ان کا خاندان اس کا وارث بنتا رہے گا۔

مگر چھٹے عام الکشن نے ثابت کیا کہ تمام پیش بندیوں کے باوجود آخری عدالت کا فیصلہ ابھی باقی تھا۔ یہ ملک کے عوام کی عدالت تھی۔ مارچ ۱۹۷۷ میں سابق وزیر اعظم کا مقدمہ دیس کی جنتا کے سامنے آیا۔ اور اس کے ایک فیصلہ نے اچانک سارے استحکامات کو اس طرح ڈھا دیا جیسے کہ وہ ریت کی دیوار سے بھی زیادہ بے حقیقت تھے۔ نہرو خاندان کی پچاس سالہ عظمت کا وارث صرف ایک دن میں بے یار و مددگار ہو کر رہ گیا۔

یہ واقعہ آخرت میں ہونے والی عدالت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ دنیا میں آدمی اپنی پوزیشن کو مستحکم کرنے کے لئے دلائل کے پہاڑ کھڑے کرتا ہے۔ وہ دولت و عزت اور جاہ و منصب کے قلعے تعمیر کرتا ہے۔ اقتصادی ذرائع پر قبضہ کر کے اپنے مستقبل کو محفوظ کرتا ہے۔ اپنے گرد بڑی بڑی عمارتیں بنا کر سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے بچاؤ کا آخری انتظام کر لیا ہے۔ مگر جب قیامت آئے گی تو سارے مضبوط خیمے اکھڑ جائیں گے۔ انسان اچانک پائے گا کہ وہ سب سے بڑی عدالت کے سامنے بالکل بے بس کھڑا ہوا ہے۔

زندگی کی سب سے زیادہ سنگین حقیقت یہ ہے کہ سارے انسان خدا کے بندے ہیں۔ ہر ایک کو بہر حال ایک روز خدا کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ عقل مند وہ ہے جو اس آنے والے دن کی تیاری میں اپنے آپ کو لگا دے

وہ خوابوں کے فریب میں مبتلا ہے جو۔۔۔

چوتھی صدی ہجری کے آخر میں جب اسپین میں طوائف الملوکی شروع ہوئی اور صوبوں کے گورنر مرکز سے بغاوت کرنے لگے تو چھوٹی چھوٹی بہت سی آزاد حکومتیں بن گئیں۔ مثلاً قرطبہ میں بنو حمود، اشبیلیہ میں بنو عباد، بطلیوس میں ابن افطس، وغیرہ۔ اشبیلیہ میں بنو عباد کی حکومت ۴۱۴ھ میں قائم ہوئی اور ۸۰ برس رہ کر ختم ہوگئی۔ شاہ مراکش یوسف بن تاشفین نے جب اسپین پر چڑھائی کی تو اس کا آخری فرماں روا معتمد بن عباد اشبیلیہ کے تخت پر تھا۔ ۴۸۴ھ میں اس نے معتمد کو گرفتار کر لیا اور اس کو مراکش کے ایک مقام اغمات میں قید کر دیا۔ چار سال قید میں رہ کر وہ ۴۸۸ھ میں مرگیا۔

معتمد بن عباد جس زمانہ میں قید میں تھا، عید کے دن اس کی لڑکیاں اس سے ملنے کے لئے آئیں، اس وقت اس کے غم انگیز تاثرات اشعار کی صورت میں ڈھل گئے۔ چند اشعار یہ ہیں:

فیما مضی کنت بالاعیاد مسرورا — فساءك العید فی اغمات مأسورا

تری بناتك فی الاطمار جائعة — یغزلن للناس ما یملکن قطمیرا

یطأن فی الطین والاقدام حافیة — کانها لم تطأ مسکا و کافورا

قد کان دهرك ان تامره ممتثلا — فردك الدهر منهیا و مامورا

من بات بعدك فی ملك یسر به — فانما بات بالاحلام مغرورا

ماضی میں تو خوشی کے ساتھ عید مناتا تھا، مگر آج اغمات کے قید میں تیرے لئے عید کی کوئی خوشی نہیں۔

تو اپنی بیٹیوں کو دیکھ رہا ہے کہ وہ بھوکی، پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ وہ لوگوں کے لئے سوت کاتتی ہیں اور ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

وہ کیچڑ میں ننگے پاؤں چلتی ہیں، گویا کہ ان پیروں نے کبھی مشک اور کافور کو روندا ہی نہیں۔

ایک وقت وہ تھا کہ زمانہ تیرے حکم کا تابع تھا، آج زمانہ نے تجھ کو محروم و محکوم بنا دیا ہے۔

تیری اس حالت کو دیکھنے کے بعد بھی اگر کوئی شخص حکومت پر خوش ہوتا ہے تو وہ خوابوں کے فریب میں مبتلا ہے۔

انسان دنیا کی عزت اور کامیابی حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی ہے۔ اور پھر اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسئلہ وہ تھا ہی نہیں جس میں وہ ساری عمر مشغول رہا۔ اصل مسئلہ آخرت کا تھا نہ کہ دنیا کا ——— آخرت کی رسوائی، آخرت کی محرومی، آخرت کا عذاب، آخرت میں بے جگہ ہو جانا، یہ وہ مسائل ہیں جن کے لئے آدمی کو بے چین ہونا چاہئے۔ نہ یہ کہ وہ دنیا میں الجھا رہے۔ یہاں تک کہ جب اس کو موت آئے تو معلوم ہو کہ عزت اور کامیابی کے سارے سامان جمع کرنے کے بعد بھی اپنی زندگی کے اگلے مرحلہ میں وہ اس حال میں داخل ہو رہا ہے کہ وہاں کی ابدی دنیا میں اپنی جگہ بنانے کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں۔

قریب ہے کہ کسی بھی صبح و شام وہ انسانوں کے اوپر پھٹ پڑے

انڈے کے اندر زندہ بچہ کا وجود یہ معنے رکھتا ہے کہ ایک روز اس کے اوپر کا خول ٹوٹ جائے اور جیتا جاگتا بچہ خول کے باہر آجائے —— اسی قسم کی نسبت موجودہ دنیا کو آخرت سے ہے۔ آخرت موجودہ دنیا کے اندر سے ابلی پڑ رہی ہے۔ کائنات کے احوال پر گہرائی کے ساتھ غور کیجئے تو دل پکار اٹھے گا کہ بے شک آخرت آنے والی ہے (آل عمران ۱۹۱) بلکہ وہ آپ کو بالکل آتی ہوئی نظر آئے گی۔ آپ دیکھیں گے کہ حاملہ کے پیٹ میں جس طرح اس کا حمل باہر آنے کے لئے بیتاب ہو، اسی طرح وہ کائنات کے اندر بوجھل ہو رہی ہے اور قریب ہے کہ کسی بھی صبح و شام وہ انسانوں کے اوپر پھٹ پڑے:

"یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ کہاں ہے قیامت۔ کہو اس کا علم تو صرف اللہ کو ہے۔ وہی اپنے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا۔ وہ زمین و آسمان میں بھاری ہو رہی ہے۔ وہ بالکل اچانک تم پر آجائے گی (اعراف ۱۸۷)

وہ دن آنے والا ہے جب تمام اگلے پچھلے پیدا ہونے والے خدا کے پاس اس حال میں جمع کئے جائیں گے کہ ایک رب العالمین کے سوا سب کی آوازیں پست ہو چکی ہوں گی۔ اس دن صرف حق بات میں وزن ہوگا اور اس کے سوا تمام چیزیں اپنا وزن کھو دیں گی۔ یہ فیصلہ کا دن ہوگا۔ ہمارے اور اس دن کے درمیان صرف موت کا فاصلہ ہے۔ آج جو لمحات ہم گزار رہے ہیں۔ اس کے ہر لمحہ کا انجام ہم کو آئندہ کروروں سال تک بھگتنا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص ایک ایسے انجام کی طرف چلا جا رہا ہے جہاں اس کے لئے یا تو دائمی عیش ہے یا دائمی عذاب۔ ہر لمحہ جو گزرتا ہے وہ ہم کو اس آخری انجام سے قریب تر کر دیتا ہے جو ہم میں سے ہر ایک کے لئے مقدر ہے۔ ہم کو زندگی کے صرف چند دن حاصل ہیں۔ ایسے چند دن جن کا انجام لامحدود مدت تک بھگتنا پڑے گا جس کا آرام بے حد خوش گوار ہے اور جس کی تکلیف بے حد دردناک۔ ہر بار جب سورج غروب ہوتا ہے تو ہماری عمر میں ایک دن اور کم کر دیتا ہے، اس عمر میں جس کے سوا آنے والے ہولناک دن کی تیاری کا اور کوئی موقع نہیں۔ ہماری زندگی کی مثال برف بیچنے والے دکان دار کی ہے جس کا اثاثہ ہر لحظہ پگھل کر کم ہوتا جا رہا ہو۔ اور جس کی کامیابی کی صورت صرف یہ ہو کہ وہ وقت گزرنے سے پہلے اپنا سامان بیچ ڈالے۔ ورنہ آخر میں اس کے پاس کچھ نہ ہوگا اور دکان سے اس کو خالی ہاتھ اٹھ کر جانا پڑے گا۔ پھر قبل اس کے کہ موت آکر ہم کو اس عالم سے جدا کر دے جہاں صرف کرنا ہے اور اس عالم میں پہنچا دے جہاں کرنا نہیں بلکہ صرف پانا ہے، ہمارے لئے ضروری ہے کہ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کا صحیح مصرف سوچ لیں۔ ہم سب کو ایک روز مالک کائنات کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ کیسے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو خدا اپنے وفادار بندوں میں شمار کرے۔ کیوں کہ وہی لوگ اس دن عزت والے ہوں گے۔ کیسے بدبخت ہیں وہ لوگ جن کو خدا رد کرے۔ کیوں کہ اس کے بعد ان کے لئے ذلت اور حسرت کی زندگی کے سوا اور کچھ نہیں۔

زلزلہ

زمین کا اندرونی حصہ نہایت گرم سیال کی شکل میں ہے جس کا مشاہدہ آتش فشاں پہاڑ سے نکلنے والے لاوا کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔ یہ مادہ زمین کی سطح کو متاثر کرتا ہے جس سے زمین کے اوپر زبردست گڑگڑاہٹ اور جھٹکے پیدا ہوتے ہیں —— اسی کا نام زلزلہ ہے۔

زلزلہ انسان کے اوپر قدرت کا ایسا حملہ ہے جس میں فیصلہ کا اختیار تمام تر دوسرے فریق کو ہوتا ہے۔ زلزلہ کے مقابلہ میں انسان بالکل بے بس ہے۔ یہ زلزلے ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ ہم ایک سرخ پگھلے ہوئے نہایت گرم مادہ کے اوپر آباد ہیں جس سے صرف ۵۰ کیلومیٹر کی ایک پتلی سی چٹانی تہ ہم کو الگ کرتی ہے جو زمین کی پوری جسامت کے مقابلہ میں ایسی ہی ہے جیسے سیب کے اوپر اس کا باریک چھلکا۔ ایک جغرافیہ داں کے الفاظ ہیں، ہمارے آباد شہروں اور نیلے سمندروں کے نیچے ایک قدرتی جہنم دہک رہا ہے۔

زلزلہ گویا چھوٹے پیمانہ کی قیامت ہے۔ جب دہشت ناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ زمین پھٹ جاتی ہے۔ جب پکے مکانات تاش کے پتوں کے گھروندوں کی طرح گرنے لگتے ہیں۔ جب زمین کا اوپری حصہ دھنس جاتا ہے اور اندرونی حصہ اوپر آجاتا ہے۔ جب آبادترین شہر چند لمحوں میں وحشت ناک کھنڈر کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ جب انسان کی لاشیں اس طرح ڈھیر ہوجاتی ہیں جیسے مری ہوئی مچھلیاں زمین کے اوپر پڑی ہوں —— یہ زلزلہ کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ قدرت کے مقابلہ میں کس قدر بے بس ہے۔ یہ زلزلے بالکل اچانک آتے ہیں۔ درحقیقت زلزلہ کا المیہ اس امر میں پوشیدہ ہے کہ کوئی بھی شخص یہ پیشین گوئی نہیں کرسکتا کہ زلزلہ کب اور کہاں آئے گا۔

یہ زلزلے گویا آئندہ آنے والے بڑے زلزلہ (قیامت) کی پیشگی اطلاع ہیں۔ یہ ہمیں بتاتے ہیں کہ زمین و آسمان کا مالک کس طرح اس دنیا کو ایک روز توڑ ڈالے گا اور اس کے بعد ایک نیا عالم بنائے گا۔

موت کے خوف نے ان سے زندگی کی راحتیں چھین لیں

۲۸ جولائی ۱۹۷۶ء کو شمال مشرقی چین میں زلزلہ آیا۔ چین کا تیسرا سب سے بڑا صنعتی شہر تنگشین جس کی آبادی دس لاکھ تھی، کھنڈر میں تبدیل ہوگیا۔ زلزلہ اتنا شدید تھا کہ اسکے جھٹکے جاپان اور کوریا تک محسوس کئے گئے۔

چین کی راجدھانی پیکنگ زلزلہ زدہ شہر سے تقریباً ۱۰۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ تاہم لوگوں کے خوف و ہراس کا عالم یہ تھا کہ پیکنگ کی ۶۰ لاکھ آبادی نے ممکنہ موت کے ڈر سے اپنے مکانات چھوڑ دیئے اور کئی راتیں سڑکوں اور پارکوں میں گزاریں جبکہ ان کے سروں پر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔

جب مادی حالات کے اندر بھی روحانی دعائیں نکلنے لگیں

حضرت موسیٰؑ پر قتل کا الزام عائد کر کے جب مصری سرداروں نے مشورہ کیا کہ انھیں ہلاک کر دیں، تو آنجناب مصر سے مدین چلے گئے۔ مدین اس زمانہ میں، خلیج عقبہ کے مشرقی اور مغربی کناروں پر واقع علاقہ کو کہا جاتا تھا جہاں بنی مدیان آباد تھے۔ یہ مقام فرعونِ مصر کی سلطنت سے باہر تھا۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ نے مصر سے نکل کر مدین کا رخ کیا۔

قرآن پاک میں ہے کہ جب آپ خوف اور اندیشہ کی حالت میں سفر کر رہے تھے تو اللہ کو یاد کرتے ہوئے آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا:

عَسٰی رَبِّیۤ اَنۡ یَّهۡدِیَنِیۡ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ (قصص-۲۲) امید ہے کہ میرا رب مجھے ٹھیک راستہ کی طرف رہنمائی کرے گا۔

بعض مفسرینِ قرآن نے اس کو محض راستہ کی تلاش کے معنی میں لیا ہے۔ ایک مفسر اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یعنی ایسے راستہ پر جس سے میں بخیریت مدین پہنچ جاؤں"

یہ الفاظ اس کیفیت کی ترجمانی کے لئے بہت ناقص ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے دل میں پیدا ہوئی تھی، یہ ایک مومنانہ کلمہ ہے نہ کہ عام معنوں میں محض ایک راستہ کے مسافر کی دعا۔ حضرت موسیٰؑ کو اگرچہ مادی حالات نے مصر سے نکال کر مدین کے راستہ پر ڈالا تھا، مگر بندہ مومن کا یہ حال ہوتا ہے کہ مادی واقعات کے اندر بھی اس کی زبان سے روحانی دعائیں نکلتی ہیں۔ بظاہر وہ اسی زمین میں راستہ تلاش کر رہا ہوتا ہے مگر زمین میں راستہ کی تلاش اس کے لئے دوسری دنیا کی یاد دہانی بن جاتی ہے، وہ اس کے ذہن کو آخرت کی وادیوں میں پہنچا دیتی ہے۔ اس کے قدم دنیوی منزل کی طرف چل رہے ہوتے ہیں، مگر اس کے اندر کا طوفان پکار رہا ہوتا ہے ——— "خدایا! مجھے وہاں پہنچا دے جہاں میں تجھ کو پا سکوں۔ کیوں کہ انسان کی حقیقی منزل وہی ہے"

حضرت موسیٰؑ کا یہ کلمہ ایک نازک ایمانی کیفیت کا کلمہ ہے۔ اس کو سفر اور جغرافیہ کے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

جو لوگ حقیقی معنوں میں اپنے رب کو پالیں، ان کے جینے کی سطح بالکل دوسری ہو جاتی ہے۔ وہ موجودہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی آخرت کی فضاؤں میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہ آج کی لذتوں اور تلخیوں کو دیکھتے ہوئے کل کے جنت اور جہنم کو یاد کرنے لگتے ہیں۔ مومن حقیقت میں وہی ہے جو دنیا میں آخرت کے عالم کو دیکھ لے۔ جو حالتِ غیب میں رہتے ہوئے حالتِ شہود میں پہنچ جائے۔ غیر مومن پر بھی وہ دن آئے گا جب کہ وہ عالمِ آخرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ مگر یہ اس وقت ہوگا جب کہ غیب و شہود کا فرق مٹ چکا ہوگا۔ جب قیامت کی چنگھاڑ سارے پردوں کو پھاڑ دے گی۔ مگر اس وقت کا دیکھنا کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔ کیونکہ وہ بدلہ پانے کا وقت ہوگا نہ کہ ایمان و یقین کا ثبوت دینے کا۔

سرکس ہو رہا تھا۔ تماشائیوں کو طرح طرح کے کھیل دکھائے جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک "انسان"، لوگوں کے سامنے لایا گیا۔ اس نے عجیب عجیب تماشے دکھا کر لوگوں کو خوش کرنا شروع کر دیا۔ ابھی کھیل ختم نہیں ہوا تھا کہ تماشائیوں میں سے ایک شخص نے اس "انسان" کی طرف ایک کنکر پھینک دیا۔ اس کے بعد "انسان" نے ایک زوردار چھلانگ لگائی۔ وہ شاید اپنے حملہ آور تک پہنچنا چاہتا تھا۔ مگر وہ چاروں طرف لگے ہوئے مانگ سے ٹکرا گیا۔ اس کے ٹکراتے ہی اس کے چہرے کا مکھوٹا (MASK) گر گیا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ حقیقۃً ایک جانور تھا جو انسانی بھیس بدلے ہوئے تماشا دکھا رہا تھا۔

سرکس کے اسٹیج پر یہ واقعہ شاید ایک ہی بار پیش آیا ہو۔ مگر انسانی بستیوں میں ایسے واقعات ہر روز سامنے آ رہے ہیں۔ لوگ بظاہر انسان جیسے چہروں کے ساتھ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی بات ان کو غصہ دلانے والی پیش آ جائے تو اچانک وہ اپنا انسانی لبادہ اتار پھینکتے ہیں۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ وہ در اصل حیوان تھے۔ البتہ انھوں نے اوپر سے انسانی مکھوٹا پہن رکھا تھا۔ خلاف مزاج بات پیش آتے ہی وہ اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گئے۔

لاشعور (آدمی کی اصل ہستی) کو سمجھنے کا بہترین نفسیاتی وقت وہ ہوتا ہے جب کہ وہ ذہنی اختلال میں مبتلا ہو۔ اسی طرح شکایت اور اختلاف کا وقت آدمی کے دین و اخلاق کا امتحان ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ آدمی ٹھیک اسی وقت ناکام ہو جاتا ہے جب کہ اس کو سب سے زیادہ کامیابی کا ثبوت دینا چاہئے۔

دعا یا کرتب

ایک شخص حکومت کے کسی شعبہ میں جگہ حاصل کرنے کے لئے ملازمت کا فارم بھرے تو اس کا نام درخواست ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ ایسا کرے کہ اپنے گھر میں سر نیچے اور پاؤں اوپر کر کے کھڑا ہو جائے اور یہ یقین کرے کہ اسی حال میں سات دن رہوں گا تو مجھ کو ملازمت مل جائے گی، تو یہ کرتب ہے۔ درخواست دینا ایک بالکل معقول بات ہے۔ مگر کرتب اتنی ہی بے معنی چیز ہے۔

اسی طرح خدا سے مانگنے میں بھی ایک دعا کا طریقہ ہے اور دوسرا کرتب کا طریقہ۔ دعا یہ ہے کہ آدمی اپنے حاجات و مسائل میں خدا کی طرف رجوع کرے، اس سے روئے گڑگڑائے، اس سے حاجت روائی کی درخواست کرے۔ یہ عین مطلوب ہے۔ حدیث میں ہے کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کو بھی خدا سے مانگو۔

مگر کچھ لوگوں نے اسی کے ساتھ کرتب کے کچھ طریقے نکال رکھے ہیں ــــ فلاں لفظ اتنی بار دہرا دو تو بلا ٹل جائے گی، فلاں وقت میں فلاں عمل کر لو تو حاجات پوری ہو جائیں گی، فلاں نقش کاغذ پر لکھ کر اتنے دن تک باندھے رہو تو دشمن ختم ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کرتب ہیں۔ دعا (اللہ کو پکارنا) جتنا بامعنی ہے، کرتب (عملیات) کے طریقے اتنے ہی بے معنی ہیں۔ پہلا عین اسلامی ہے اور دوسرا قطعاً غیر اسلامی۔

قبل اس کے کہ خدا کا سیلاب پھٹ پڑے

اعظم گڑھ شہر کے کنارے بہت بڑا باندھ ہے جو ۱۸۷۱ کے سیلاب کے بعد بنایا گیا تھا۔ ۱۹۵۵ کا سیلاب آیا تو اس نے تمام تاریخی ریکارڈ توڑ دیئے۔ شہر کی قسمت تمام تر اسی باندھ پر معلق ہو گئی۔ باندھ کے ایک طرف شہر تھا۔ دوسری طرف حد نظر تک پھیلا ہوا پانی جس کی بلندی چھتوں کے برابر ہو رہی تھی۔ بالآخر ایک مقام پر پانی نے باندھ کو توڑنا شروع کیا۔ کلکٹر نے سیکڑوں آدمی متعین کر دیئے جو رات دن باندھ کی مرمت میں لگے ہوئے تھے۔

ہر جگہ اسی کا چرچا تھا۔ ہر شخص کی زبان پر اسی کا تذکرہ تھا۔ یہاں تک کہ ۶ جولائی ۱۹۵۵ کی شام آگئی۔ رات کے درمیانی حصہ میں جب کہ سناٹا چھا چکا تھا۔ ایک آواز فضا کو چیرتی ہوئی پورے شہر میں گونج گئی۔ یہ ایک اعلان تھا جو کلکٹر کی طرف سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ کیا جا رہا تھا:

"لال ڈگی کے باندھ کی مرمت کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ باندھ ابھی ٹوٹنا چاہتا ہے۔ آپ لوگ اپنی جانوں کو بچانے کے لئے اونچی جگہوں پر چلے جائیں"

رات کے ایک بجے کا وقت تھا۔ سارا شہر جاگ اٹھا۔ عجیب سنسنی پھیل گئی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اسرافیل نے قیامت کا صور پھونک دیا ہو۔ لوگ اپنے گھروں سے نکل کر باندھ کی طرف دوڑ پڑے تاکہ اس کو بچانے کی آخری کوشش کر سکیں۔ سیکڑوں آدمیوں نے پھاوڑا اور بوریہ سنبھال لیا اور اس مقام پر مٹی ڈالنی شروع کی جہاں باندھ پھٹ رہا تھا۔ پٹرومیکس کی روشنی میں ساری رات کام ہوتا رہا۔ اگلے دن دوپہر تک مٹی ڈالی جاتی رہی۔ مگر ساری کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ انجینئر نے اعلان کر دیا کہ باندھ قابو سے باہر ہو چکا ہے۔ ہماری کوئی بھی کوشش اس کو روک نہیں سکتی۔ دن کے بارہ بجے باندھ ٹوٹ گیا۔ پانی کا زبردست ریلا شہر کی طرف بہہ پڑا۔ لوگ اپنے ٹھکانوں کی طرف بھاگ رہے تھے اور پانی ان کے پیچھے سڑکوں اور گلیوں میں اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے وہ ان کا تعاقب کر رہا ہو۔ زندگی کے تمام مسائل سمٹ کر سیلاب کے گرد جمع ہو گئے۔

یہ سیلاب جب مجھے یاد آتا ہے تو اس میں مجھے قیامت کے عظیم تر سیلاب کا نقشہ دکھائی دینے لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت بھی اسی طرح کا ایک بہت بڑا سیلاب ہے۔ وہ جب آئے گا تو ہمارے تمام حفاظتی بند ٹوٹ جائیں گے۔ وہ اس طرح ہم کو گھیر لے گا کہ پہاڑ کی چوٹیاں بھی اس کے مقابلہ میں پناہ دینے سے عاجز رہیں گی۔

آج کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ قیامت کے اس آنے والے سیلاب سے دنیا کو آگاہ کیا جائے۔ جس طرح ضلع کلکٹر نے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اعظم گڑھ کے شہریوں کے سامنے سیلاب کا اعلان کرایا۔ اسی طرح ہم کو بھی "لاؤڈ اسپیکر" فراہم کرنا ہے تاکہ سیلاب کے آنے سے پہلے اس کی بابت لوگوں کو باخبر کر سکیں۔ خدا کے پیغمبر اسی آنے والے "سیلاب" سے لوگوں کو باخبر کرنے کے لئے آتے تھے۔ ختم نبوت کے بعد امت مسلمہ اسی کام پر مامور ہے۔ اس کی لازمی ذمہ داری ہے کہ تمام قوموں کو اس سے خبردار کرے۔ قبل اس کے کہ خدا کا وہ سیلاب پھٹ پڑے اور پھر نہ کسی کے لئے خبردار کرنے کا موقع ہو اور نہ کسی کو خبردار ہونے کا۔

ڈرو اس سے جو وقت آنے والا

کسی مسافر کی ٹرین اسٹیشن پر سامنے کھڑی ہو اور وہ اس میں سوار ہونے کے بجائے پلیٹ فارم کی بنچ پر جگہ حاصل کرنے کے لئے کش مکش کرے، تو ہر آدمی اس کو بیوقوف کہے گا۔ مگر ایک اور سفر کے معاملہ میں ساری دنیا اسی قسم کی نادانی میں مبتلا ہے اور کسی کو اس نادانی کا احساس نہیں۔ حتیٰ کہ جو شخص "ٹرین" کو چھوڑ کر پلیٹ فارم کی بنچ پر اپنے لئے ایک کشادہ جگہ حاصل کرلیتا ہے، اس کو لوگ خوش قسمت کہتے ہیں اور عقل مند کا لقب دیتے ہیں۔

یہ دوسرا سفر موت کا سفر ہے۔ ہر روز لاکھوں آدمی مرکر ہم کو یہ سبق دیتے ہیں کہ زندگی کا اصل مسئلہ آخرت کا مسئلہ ہے، اس کی تیاری کرو۔ مگر انسان دنیا کی دلچسپیوں اور رنگینیوں میں اس قدر الجھا ہوا ہے کہ اس کو آخرت کی دنیا کے لئے تیاری کا ہوش ہی نہیں۔

قبر دوسری زندگی کا دروازہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی شخص کے لئے اس دروازہ کو کھلتے ہوئے اور پھر اس کے اوپر اس کو بند ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ مگر ہم میں سے بہت کم لوگ ہیں جو یہ جانتے ہوں کہ خود ان کے لئے بھی یہ دروازہ ایک روز کھولا جائے گا، اور پھر اسی طرح بند ہوگا جس طرح وہ دوسروں کے اوپر ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے۔

آدمی کی یہ نفسیات بھی کتنی عجیب ہے کہ دوسروں کو وہ ہر روز مرتے ہوئے دیکھتا ہے، مگر خود اس طرح زندگی گزارتا ہے گویا اس کو ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ لوگ ایک ایک کرکے روزانہ خدا کے یہاں پیشی کے لئے بلائے جارہے ہیں، مگر خود اپنے کو اس طرح الگ کرلیتا ہے گویا عدالت الٰہی میں حاضری کا یہ دن اس کے اپنے لئے کبھی نہیں آئے گا۔

خدا پرست

ہونے کا مطلب کیا ہے

جاڑے کے موسم میں سانپ ٹھٹھرا پڑا رہتا ہے لیکن ذرا سا بھی دُم چھوئیے تو وہ فوراً پھن نکال کر کھڑا ہوجائے گا۔یہی حال انسانوں کا ہے۔ایک شخص بظاہر نہایت شریف اور معقول نظر آئے گا۔لیکن اگر اس کی "انا" کو ضرب لگا یئے۔اس سے کسی معاملے میں اختلاف کر دیجئے تو اچانک وہ ایسا نامعقول بن جاتا ہے کہ یقین نہیں آتا کہ یہ وہی شخص ہے جس سے اب تک آپ واقف تھے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان اپنے اندر خدا بننے کی ایک تمنا چھپائے ہوئے ہے۔جب آپ اس سے عقیدت مندی کے ساتھ ملتے ہیں۔جب اس سے اس کی پسندیدہ باتیں کرتے ہیں تو اس کی خاموش تمنا کو تسکین ملتی رہتی ہے۔اس کا لاشعور آپ کو قدر دانی کی نظر سے دیکھتا ہے۔کیونکہ اس کے نزدیک گویا آپ اس کے خدائی کے دعوے کو تسلیم کر رہے ہیں۔مگر جب آپ ناقد کی حیثیت سے اس کے سامنے آئیں تو اس کا ردّعمل بالکل برعکس ہوتا ہے۔اب وہ محسوس کرتا ہے کہ آپ اس کے دعوے کو چیلنج کر رہے ہیں، وہ غصہ سے بپھر اٹھتا ہے اور چاہتا ہے کہ آپ کو مٹا ڈالے جس طرح نمرود اور فرعون نے اپنے خدائی کے دعوے کا انکار کرنے والوں کو مٹا دینا چاہا تھا۔

بہت سے لوگ ہیں جو اپنی کسی تحریر میں اپنے نام کے ساتھ "خاکسار"۔"ہیچمدان"۔"احقر العباد" جیسے الفاظ کو لکھنا اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں جتنا تحریر کے آغاز میں بسم اللہ کو۔لیکن اگر اُن کی "انا" پر ضرب لگایئے تو ایسا معلوم ہوگا گویا انھوں نے "برعکس نہند نام زنگی کافور" کے اصول پر اپنے لئے یہ القاب تجویز کئے تھے۔ اپنے خلاف تنقید کو سن کر وہ جس ردّعمل کا اظہار کرتے ہیں اس سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ فی الواقع وہ اپنے کو حقیر یا خاکسار یا کچھ نہ جاننے والا سمجھتے ہیں۔

اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ یہ کبر ہے اور خدا کے یہاں کبر کی معافی نہیں۔

لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال حبة خردل من كبر، قيل وما الكبر قال: بطر الحق وغمط الناس۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں وہ شخص نہیں جائے گا جس کے اندر رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر ہو، پوچھا گیا کبر کیا ہے۔فرمایا: حق کو نظرانداز کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی خاطر پیدا کیا ہے۔اس لئے اس کے اندر نفس بھی رکھ دیا ہے جو اس کو برائیوں پر اکساتا ہے۔تاہم اسی کے ساتھ تمیز کی قوت بھی انسان کے اندر موجود ہے جو اس کو حق و ناحق بتاتی رہتی ہے۔ایسا ہونا بالکل فطری ہے کہ کبھی کوئی ناموافق بات سن کر آدمی پر جھنجھلاہٹ اور غصہ طاری ہوجائے اور اس کی

زبان سے نامناسب الفاظ نکل جائیں۔ مگر مومن کی شان یہ ہے کہ ایسے واقعہ کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہوتا ہے۔ اپنے رویے کی اصلاح کا عزم کرتا ہے۔ اس کی ذات سے کسی کو نقصان پہنچ گیا ہے تو اس کی تلافی کرتا ہے، جس کے ساتھ نامناسب رویہ اختیار کیا تھا اس سے معافی مانگتا ہے۔ جب وہ ایسا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں نہ صرف اس کا جرم بخش دیا جاتا ہے بلکہ خود جرم کو بھی نیکی کے خانہ میں لکھ دیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس کیلئے ایک زیادہ بڑی نیکی کے کرنے کا سبب بنا۔ مگر جو لوگ اختلاف کو عناد اور کینہ کے مقام تک پہنچا دیں۔ جو اپنی "خدائی" تسلیم نہ کرنے والے شخص سے ہمیشہ کے لئے بدگمان ہو جائیں اور جنھیں یہ توفیق نہ ملے کہ اس سے معافی مانگ کر اس کی طرف سے اپنے دل کو صاف کر لیں، وہ بدترین مجرم ہیں، وہ کسی حال میں خدا کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے خواہ دنیا میں اپنے اتفاقی حالات کی وجہ سے وہ اپنے دل کی گندگی کو چھپانے میں کامیاب ہو جائیں۔

خدا پرست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو خدا کے آگے جھکا دے، اس کے مقابلہ میں اپنی بڑائی کے تمام احساسات کو بالکل ختم کر دے۔ یہ احساس اگرچہ خدا کے مقابلہ میں مطلوب ہے۔ مگر اس کا امتحان بندوں کے معاملات ہی میں ہوتا ہے۔ انسانوں کے ساتھ تعلقات میں جو شخص یہ ثابت کرے کہ اسکے دل میں جھکاؤ ہے۔ وہی دراصل خدا کے آگے جھکا ہوا ہے، اسکے برعکس انسانوں سے ٹھیس پہنچنے کے وقت جو شخص ظالم اور متکبر بن جائے، وہ خدا کے مقابلہ میں بھی ایسا ہی ہے خواہ وہ فرائض و نوافل میں کتنا ہی تواضع کا اظہار کرتا ہو۔

حدیث میں ہے کہ آدمی کبھی ایک بھوکے اور پیاسے کو نظر انداز کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں ایک معمولی آدمی کو نظر انداز کر رہا ہوں۔ حالانکہ وہ رب العالمین کو نظر انداز کر رہا ہوتا ہے۔

اسی طرح آدمی کبھی ایک پیغام کو نظر انداز کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں ایک معمولی آدمی کی بات کو نظر انداز کر رہا ہوں۔ حالاں کہ وہ رب العالمین کی بات کو نظر انداز کر رہا ہوتا ہے۔

ایسے لوگوں کی نفسیات دنیا میں تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے کو ہوشیار اور کامیاب سمجھتے ہیں۔ اپنے عمل پر شرمندہ ہونے کے بجائے فاتحانہ انداز سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر جب وہ مرنے کے بعد آخرت کے عالم میں کھڑے کئے جائیں گے تو انھیں دکھائی دے گا کہ ان سے زیادہ نادان اور کوئی نہ تھا۔ ان کو ایسا محسوس ہو گا گویا زمین و آسمان نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

اس وقت وہ جانیں گے کہ دنیا میں اپنی جس زندگی پر وہ نازاں تھے، خدا کی نظر میں اس کی کوئی قیمت نہ تھی۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی سنتِ امتحان تھی جس نے ان کو زمین میں زندگی کا موقع دے رکھا تھا۔ امتحان کی مدت ختم ہونے کے بعد ان کو اپنا وجود اس سے بھی زیادہ بے حقیقت نظر آئے گا جتنا کہ مکھی اور مچھر۔

یہ ایک خدائی منصوبہ تھا

تاکہ ظالموں اور متکبروں کا مجرم ہونا ثابت ہو جائے اور اللہ کے وفادار بندوں کو خدائی گواہ بننے کا اعزاز حاصل ہو

ہجرت کے تیسرے سال احد کا معرکہ پیش آیا۔ اس جنگ میں ابتداءً مسلمانوں کو کامیابی ہوئی، مگر بعد کو اہل ایمان کی ایک اتفاقی غلطی سے فائدہ اٹھا کر خدا کے دشمن ان کے اوپر ٹوٹ پڑے اور انھیں نقصان پہنچایا۔ اس واقعہ سے اہل ایمان کے درمیان طرح طرح کے سوالات پیدا ہونے لگے۔ انھوں نے کہا: ہم حق پر ہیں پھر یہ مصیبت کہاں سے آ گئی (آل عمران - ۱۶۵) جواب ملا کہ یہ وقتی نقصانات ہیں، ان کی پروا مت کرو۔ خدا کی نصرت حق پرستوں کے ساتھ ہے اور آخری کامیابی بہر حال انھیں کو حاصل ہو گی۔

"یہ اس واسطے ہوا تاکہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم کو ظالموں کے اوپر گواہ بنائے —" (آل عمران - ۱۴۰) —— گویا احد کی جنگ میں مسلمانوں سے جو ایک اتفاقی غلطی ہوئی اور جس کی وجہ سے خدا کے دشمنوں کو موقع ملا کہ وہ بے گناہ مسلمانوں کے اوپر پیچھے سے چڑھ آئیں، وہ بھی خدائی منصوبہ کا ایک جزو تھا۔ اس طرح خدا ظالموں اور سرکشوں کو ننگا کرنا چاہتا تھا، ان کے ہاتھوں اہل ایمان کو زخمی کر کے ان کی درندگی اور سرکشی کا ثبوت فراہم کرنا مقصود تھا۔ اللہ چاہتا تھا کہ اس واقعہ کے ذریعہ ایک طرف ظالموں اور متکبروں کو مجرمین کے کٹہرے میں کھڑا کر دے، دوسری طرف اپنے وفادار بندوں کو ان کے مقابلہ میں عدالت الٰہی کا گواہ بننے کا اعزاز عطا کرے۔ یہ ایک خدائی معاملہ تھا نہ کہ محض ایک انسانی واقعہ (۲۰ جولائی ۱۹۷۷)

انسان صرف اچھا یا برا کریڈٹ لے رہا ہے

ایک سب سے بڑی بات جس کو انسان سب سے زیادہ بھولا رہتا ہے، یہ کہ اس دنیا میں کسی انسان کو کوئی ذاتی طاقت حاصل نہیں۔ کوئی شخص نہ کسی کو کچھ دیتا، نہ کوئی شخص کسی سے کچھ چھینتا۔ ہر واقعہ جو اس زمین پر ہوتا ہے وہ خدا کی اجازت سے ہوتا ہے۔ انسان کی ساری حیثیت یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں امتحان کے لئے ہے۔ ارادہ کے سوا انسان کے بس میں اور کچھ نہیں۔ واقعات اس لئے اس کے سامنے لائے جاتے ہیں کہ اس کی جانچ ہو تاکہ اس کا خدا یہ دیکھے کہ اس کا بندہ مختلف رویوں میں سے کس رویہ کا اپنے لئے انتخاب کر رہا ہے۔ واقعات کا اہتمام مالک کائنات کی طرف سے ہوتا ہے۔ انسان تو صرف اچھا یا برا کریڈٹ لے رہا ہے

چپ رہنا سیکھو، تاکہ تم فرشتوں کی سرگوشیوں کو سن سکو۔

اپنی قوتوں کو عمل میں لاؤ، تم خدا کی مدد کے مستحق ٹھہرو گے۔

جس دل میں بندوں کی محبت نہ ہو، وہ خدا کی محبت سے بھی خالی ہوگا۔

لوگوں کو حقیر نہ سمجھو، ورنہ تم لوگوں کے خالق کی نظر میں حقیر ہو جاؤ گے۔

جو ارباب جاہ کی قربت ڈھونڈتا ہے، وہ خدا کی قربت سے دور ہوگیا۔

کوئی شخص تم کو پتھر مارے تو اس سے لڑنے میں وقت ضائع مت کرو،
بلکہ اپنے آپ کو اتنا اونچا اٹھاؤ کہ پتھر مارنے والے کا پتھر وہاں تک پہنچ ہی نہ سکے۔

جو لوگ دوسروں کی شکایت کرتے ہیں وہ صرف اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ زندگی کی دوڑ میں وہ دوسروں سے پیچھے ہو گئے۔

جب خدا کے دین کو دنیا دارانہ زندگی میں ڈھال لیا جائے

اسلام کا مطلب یہ ہے کہ زندگی خدا اور آخرت کی یاد میں ڈھل جائے۔ یہاں بندہ اپنے رب سے روحانی سطح پر ملاقات کرتا ہے۔ مگر جب اسلام کے ماننے والوں کو زوال ہوتا ہے تو اسلام کی روح غائب ہوجاتی ہے اور صرف اس کے ذہنوی پہلو باقی رہ جاتے ہیں، اسلام اپنی سطح سے اتر کر ماننے والوں کی سطح پر آجاتا ہے ـــــ نظر نہ آنے والے خدا سے خوف و محبت کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے، البتہ نظر آنے والے خداؤں (احبار و رہبان) کی تقدیس و تمجید زوروں پر شروع ہوجاتی ہے۔ خدا کے لئے تنہائیوں میں رونا اور خاموشیوں میں اس سے گڑگڑانا باقی نہیں رہتا، البتہ لاؤڈ اسپیکر کے اوپر قرآن و اسلام کے ہنگامے خوب ترقی کرتے ہیں۔ نماز لوگوں کے دلوں کو روشن نہیں کرتی، البتہ مسجدوں کی روشنیاں پورے شباب پر پہنچ جاتی ہیں۔ روزہ سے صبر اور پرہیزگاری نکل جاتی ہے، البتہ افطار و سحر کی دھوم خوب بڑھ جاتی ہے۔ عید میں شکر اور سجدہ کی روح نہیں ہوتی، البتہ کپڑے اور میلے کے تماشے خوب رونق پکڑتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے دین کو اپنی دنیا دارانہ زندگی میں ڈھال لیا جاتا ہے

ہر آدمی ایک فیصلہ کن انجام کی طرف بڑھ رہا ہے

ہندستان کی آزادی سے بارہ سال پہلے ۱۹۳۵ میں جب آنجہانی پنڈت جواہرلال نہرو نے انگریزی جیل میں اپنی آپ بیتی مکمل کی تو اس کے آخر میں انھوں نے لکھا:

"میں محسوس کرتا ہوں کہ میری زندگی کا ایک باب ختم ہو گیا اور اب اس کا دوسرا باب شروع ہو گا۔ اس میں کیا ہو گا، اس کے متعلق میں کوئی قیاس نہیں کر سکتا کتابِ زندگی کے اگلے ورق سربمہر ہیں"

آٹو بیاگرافی (لندن ۱۹۵۳) صفحہ ۵۹۷

نہرو کی زندگی کے اگلے اوراق کھلے تو معلوم ہوا کہ وہ دنیا کے تیسرے سب سے بڑے ملک کے وزیر اعظم ہیں۔ انسانی آبادی کے چھٹے حصہ پر انھوں نے اپنی ساری عمر بلاشرکت حکومت کی۔ ان کا اقتدار اتنا مکمل تھا کہ اپنی وزارتی کابینہ کے طاقت ور ترین شخص سردار پٹیل سے جب ان کے اختلافات ہوئے تو ہندستان کے اس مرد آہن نے بالآخر نہرو کے آگے ہتھیار ڈال دئے اور لکھ کر دے دیا کہ اختلافی معاملات میں عملاً میں اسی رائے کا پابند رہوں گا جو آپ کی رائے ہوگی۔

اس قسم کے کامل اقتدار کے باوجود پنڈت نہرو اپنی آخری عمر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ شاید حقیقت کی کچھ اور منزلیں ہیں جہاں تک ان کی رسائی نہ ہو سکی۔ جنوری ۱۹۶۴ میں مستشرقین کی بین اقوامی کانگرس نئی دہلی میں ہوئی تھی۔ اس میں ہندستان کے علاوہ دوسرے ملکوں کے بارہ سو ڈیلی گیٹ شریک ہوئے۔ پنڈت نہرو نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا:

"میں ایک سیاست داں ہوں اور مجھے سوچنے کے لئے وقت کم ملتا ہے۔ پھر بھی بعض اوقات میں یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہوں کہ آخر یہ دنیا کیا ہے۔ کس لئے ہے۔ ہم کیا ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ یہ میرا یقین ہے کہ کچھ طاقتیں ہیں جو ہماری تقدیر بناتی ہیں"

(نیشنل ہیرلڈ ۷ جنوری ۱۹۶۴)

پنڈت نہرو کے انتقال کے بعد، ایک مختصر وقفہ کو چھوڑ کر، ہندستان کا اقتدار دوبارہ ان کی صاحبزادی مسز اندرا گاندھی کے ہاتھ میں آیا اور گیارہ سال دو مہینے تک اتنی شان کے ساتھ انھوں نے حکومت کی کہ لوگ کہنے لگے کہ بیٹی باپ پر بھی بازی لے گئی ہے۔ مگر بالآخر قدرت نے ان کی سیاسی کتاب کو بھی اس طرح سربمہر کر دیا کہ وہ بھی دوبارہ اسی سوال سے دوچار ہیں جس سے ان کا باپ چالیس سال پہلے دوچار تھا ——

"زندگی کیا ہے اور بالآخر آدمی کا انجام کیا ہونے والا ہے"

تاریخ کے اندر بے شمار سبق ہیں۔ ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ ہر آدمی ایک ایسی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے جہاں آدمی کی خوش فہمیاں اس کا ساتھ چھوڑ دیں گی۔ کوئی اقتدار کسی کے کام نہ آئے گا۔ وہاں فیصلہ کا سارا اختیار دوسری طاقت کے ہاتھ میں ہوگا۔ دنیا میں انسان کا انجام آخرت کے اسی انجام کا ابتدائی نمونہ ہے۔

ہر شخص جس کو زندگی کے اسٹیج پر اپنا کردار ادا کرنے کا موقع ملتا ہے، وہ انتہائی نادانی کے ساتھ اسی عمل کو دہراتا ہے جو پچھلے تجربہ میں مکمل طور پر ناکام ہو چکا ہے

جنّت والے

امام نسائی نے انس بن مالک سے نقل کیا ہے۔ ایک بار تین دن تک مسلسل یہ ہوتا رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں یہ فرماتے کہ اب تمھارے سامنے ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے۔ ہر بار یہ آنے والے انصار میں سے ایک شخص ہوتے۔ یہ دیکھ کر عبد اللہ بن عمرو بن عاص کو جستجو ہوئی کہ آخر وہ کون سا عمل کرتے ہیں جس کی بنا پر آپؐ نے ان کے بارے میں بار بار یہ بشارت سنائی ہے۔ چنانچہ وہ ایک بہانہ کرکے گئے اور تین روز تک مسلسل ان کے یہاں رات گزارتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ شاید کوئی خاص عبادت کرتے ہوں گے جس کی وجہ سے ان کو یہ مقام ملا۔ مگر ان کی عبادت اور شب گزاری میں کوئی غیر معمولی چیز ان کو دکھائی نہ دی۔ آخر انھوں نے خود ہی ان سے پوچھا کہ بھائی، آپ کون سا ایسا عمل کرتے ہیں جس کی بنا پر ہم نے رسول اللہ کی زبان سے آپ کے بارے میں یہ عظیم بشارت سنی ہے۔ انھوں نے کہا، میری عبادت کا حال تو وہی ہے جو آپ نے دیکھا البتہ ایک بات شاید اس کا سبب بنی ہو، اور وہ یہ کہ:

لا اجد فی نفسی غلا لاحد من المسلمین
ولا احسد ہ علی خیر اعطاہ اللہ تعالی

میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کوئی کینہ نہیں رکھتا۔ اور نہ کسی ایسی بھلائی پر جو اللہ نے اسے دی ہو، اس سے حسد کرتا ہوں۔

زندگی کیا ہے، موت کی طرف ایک سفر۔ ہر شخص دوسروں کو اپنے سامنے مرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ مگر خود اس طرح زندگی گزارتا ہے گویا اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔

کوئی رصدگاہ اگر کسی دن یہ دریافت کرے کہ زمین کی جذب وکشش کی قوت ختم ہوگئی ہے تو اگلے دن یہی دریافت تمام اخباروں کی شاہ سرخی ہوگی۔ کیوں کہ اس قسم کی خبر زمین کے لئے موت کے سفر کے ہم معنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کا کرہ چھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کی طرف کھنچنا شروع ہو جائے اور چند ہفتوں کے اندر اپنے سے بارہ لاکھ گنا بڑے سورج کے الاؤ میں اس طرح جاگرے جیسے دنیا کے سب سے بڑے آتش فشاں کے اندر کوئی ایک تنکا۔

زمین کے لئے موت کے سفر کی خبر کسی دن اخبار میں چھپ جائے تو ساری دنیا میں کہرام مچ جائے گا۔ ہم میں سے ہر شخص اس قسم کے ہولناک تر سفر میں ہے۔ مگر کوئی نہیں جو اس سے چوکنا ہو اور اپنی زندگی کے آئندہ مراحل میں بربادی سے بچنے کی فکر کرے ـــــ سب سے بڑا مسئلہ "موت" کا مسئلہ ہے۔ مگر لوگ "زندگی" کے مسائل میں اتنا الجھے ہوئے ہیں کہ کسی کو موت کے مسئلہ پر دھیان دینے کی فرصت نہیں۔

جب زندگی کا رخ آخرت کی طرف ہو جائے

اہل ایمان کی تعریف قرآن میں یہ کی گئی ہے کہ جب ان کے سامنے خدا کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل اٹھتے ہیں (انفال-۲) اور جب ان کے سامنے خدا کا کوئی حکم بیان کیا جاتا ہے تو فوراً اس کے آگے سر جھکا دیتے ہیں خواہ وہ ان کی مرضی کے خلاف کیوں نہ ہو۔ (نساء - ۶۵)

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ غلام ہیں۔ وہ میرے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے میں ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور مارتا ہوں۔ پھر ان کے معاملہ میں میرا حال کیا ہوگا۔ آپ نے جواب دیا: جب قیامت کا دن آئے گا تو ان کی خیانت اور ان کی نافرمانی کا شمار کیا جائے گا۔ پس اگر تمھاری سزا ان کے جرم کے مطابق ہوگی تو معاملہ برابر برابر ہو جائے گا اور اگر تمھاری سزا ان کے جرم سے زیادہ ہوگی تو ان کو اجازت دی جائے گی کہ اس کے بقدر تم سے بدلہ لیں۔ یہ سن کر وہ شخص چیخ پڑا اور رونے لگا۔ اور اس کے بعد کہا:

یا رسول اللہ، ما اجد لی ولھولاء خیرا من مفارقتھم، اشھدک انھم کلھم احرار (احمد، ترمذی)

اے خدا کے رسول، میرے اور ان کے درمیان جدائی سے بہتر کوئی صورت نہیں۔ میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ سب آج سے آزاد ہیں۔

مومن کون ہے۔ مومن دراصل وہ ہے جو اس واقعہ کو اپنی آنکھ سے دیکھ لے کہ اسرافیل صور لئے کھڑے ہیں اور اس بات کے منتظر ہیں کہ کب خدا کا حکم ہو اور پھونک مار کر سارے عالم کو تہ و بالا کر دیں۔ کافر اور مومن کا فرق، باعتبار حقیقت، اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ کافر دنیا کی سطح پر جیتا ہے اور مومن آخرت کی سطح پر۔ ایک ظاہر حیات میں گم رہتا ہے۔ دوسرا، آخر حیات میں اپنے لئے زندگی کا راز پالیتا ہے ـــــــ

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ (روم-۷)

کسی بھی حال میں انصاف کو نہ چھوڑیئے

"ہم نے اپنے رسول نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو اتاری۔ تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں" (حدید ۲۵) قرآن کا یہ ارشاد بتاتا ہے کہ اجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے کیا مطلوب ہے۔ وہ مطلوب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے دائرہ میں دوسروں کے ساتھ وہی رویہ اختیار کرے جو انصاف کے مطابق ہے۔ اس کا ہر عمل خدا کی شریعت کی ترازو میں تلا ہوا ہونا چاہئے۔ لینا ہو یا دینا، دونوں حالتوں میں وہ لوگوں کے حقوق کی پوری پوری ادائگی کرے چنانچہ ارشاد فرمایا:

اے ایمان والو، انصاف پر خوب قائم رہو اور اللہ کی گواہی دینے والے بنو۔ اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو (نساء ۱۳۵) بندۂ مومن کی اگر کسی شخص سے ان بن ہو جاتی ہے، تب بھی اس کے عادلانہ رویہ میں فرق نہیں آتا۔ خدا کا ڈر اس کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں وہی کرے جو حقیقۃً انصاف کا تقاضا ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (مائدہ - ۸)

کسی کی عداوت کے باعث انصاف کو نہ چھوڑو، انصاف کرو۔ یہی بات تقویٰ سے لگتی ہوئی ہے۔

تاہم خود انصاف پر چلنا جتنا مطلوب ہے، اتنا ہی یہ بات غیر مطلوب ہے کہ آدمی دوسروں کے خلاف انصاف کا جھنڈا لے کر کھڑا ہو جائے۔ ہر شخص سے اپنی ذات کے بارے میں خدا کے یہاں پوچھ ہونی ہے اور ہر شخص کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی میں انصاف کو اپنائے۔ وہ خواہ حاکم کی پوزیشن میں ہو یا محکوم کی، ہر حال میں دوسروں کو اس سے انصاف ملے۔

اس کے بعد اگر کسی کو نظر آتا ہے کہ اس کا بھائی، خواہ وہ فرد ہو یا جماعت، بے انصافی کی روش پر چل رہا ہے، تو ان کے لئے اس کے اندر نصیحت (خیر خواہی) کا جذبہ ابھرنا چاہئے نہ کہ ایجی ٹیشن اور محاذ آرائی کا۔ اس کو چاہئے کہ اپنے دوسرے بھائیوں کی اصلاح کے لئے اللہ سے دعا کرے حکمت اور خیر خواہی کے ساتھ ان کو بھلائی کی تلقین کرے۔ ان کی اصلاح کے لئے وہی مشفقانہ طریقہ اختیار کرے جو وہ اپنی عزیز اولاد کی اصلاح کے لئے کرتا ہے۔ اس کے بجائے احتجاجی سیاست چلانا اور انصاف کا جھنڈا لے کر کھڑا ہو جانا کسی طرح صحیح نہیں۔ اس قسم کا ہر اقدام صرف بگاڑ میں اضافہ کرتا ہے۔ وہ کسی بھی درجہ میں حالات کو سدھارنے والا نہیں بن سکتا۔

پٹرول کی طاقت نے مسلمانوں کو نہ صرف اقتصادی اور سیاسی سہارا دیا ہے بلکہ وہ اعلان حق اور دعوت دین کے کام میں بھی مددگار ہو رہا ہے۔ دو بلین پٹرو ڈالر (۱۸۰۰ کروڑ روپے) کے خرچ سے ۱۹۷۶ میں لندن میں جو ورلڈ آف اسلام فیسٹیول (مہرجان العالمی الاسلامی) ہوا، اس کو دیکھ کر سیکڑوں یورپی باشندے مسلمان ہو گئے۔ ایک برطانوی اخبار نے اس مہرجان کی رپورٹ دیتے ہوئے اس کو یورپ کے اوپر اسلام کا حملہ قرار دیا تھا۔ (السٹریٹیڈ ویکلی ۱۸ جولائی ۱۹۷۶):

THE ISLAMIC INVASION IS UPON US

پٹرول کی اقتصادی قوت نے آج مسلم قوموں کو نئی اہمیت دے دی ہے۔ ساری دنیا میں عربی زبان کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں جگہ جگہ اسلامی مراکز کھل رہے ہیں۔ اسلامی لٹریچر کی اشاعت کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ دنیا بھر میں اسلامی شخصیتوں اور اسلامی اداروں کو پٹرول کے جادو نے نئی زندگی عطا کر دی ہے۔ بین اقوامی اسلامی اجتماعات اتنی زیادہ تعداد میں ہو رہے ہیں جن کا چند سال پہلے تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ افریقہ میں نہ صرف عوام میں اسلام پھیل رہا ہے بلکہ حالیہ برسوں میں دو عیسائی حکمراں اسلام قبول کر چکے ہیں ——— یہ اور اس طرح کے دوسرے اسلامی اہمیت کے واقعات جو آج ساری دنیا میں ہو رہے ہیں وہ تمام تر اس دولت کے کرشمے ہیں جو خداداد پٹرول کے ذریعہ اچانک خلیج فارس کے مسلم ملکوں کو حاصل ہو گئی ہے۔ حتی کہ حالیہ برسوں میں مسلم قوموں کو اپنے مغربی آقاؤں کے مقابلہ میں جو جرأتِ اختلاف پیدا ہوئی ہے، وہ بھی تمام تر پٹرول کی خداداد طاقت کا کرشمہ ہے، مثلاً ترکی، سعودی عرب اور پاکستان کا امریکہ کے مقابلہ میں، اور مصر کا روس کے مقابلہ میں۔

مگر ان باتوں میں ہمارے لئے بہت زیادہ خوشی کا پہلو نہیں ہے۔ کیوں کہ "انسان" کا کام "پٹرول" انجام دینے لگے تو یہ خدا کی طرف سے انسان کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار ہے۔ جب خدا کی آواز بلند کرنے کے لئے انسانوں کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں، اس وقت دابہ (نمل ـ ۸۲) زمین سے نکل کر امرِ حق کا اعلان کرتا ہے۔ مگر جب دابۂ ارضی کی زبان سے خدا اپنا اعلان کرانے لگے تو یہ خوشی کا نہیں غم کا وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد زمین و آسمان کی بساط لپیٹ دی جاتی ہے۔ انسان سے زمین کا سرسبز کرہ چھین لیا جاتا ہے اور اس کو دھوئیں اور آگ کی دنیا کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے جہاں وہ ابدی طور پر "روتا اور دانت پیستا" رہے۔

مسیحؑ سے یروشلم کے یہودی علماء نے کہا کہ اپنے شاگردوں کو منع کر دو کہ وہ ہمارے اوپر تبلیغ نہ کیا کریں۔ مسیحؑ نے جواب دیا:

اقول لکم انه ان سکت هولاء فالحجارة تصرخ
میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر یہ چپ ہو جائیں تو پتھر چلا اٹھیں گے

(لوقا ۱۹: ۴۰)

مطلب یہ ہے کہ خدا کے پیغام کو بہرحال بلند ہونا ہے۔ اگر وہ انسانوں کی زبان سے بلند نہیں ہوگا تو درخت اور پتھر چلا کر اسے لوگوں کو سنائیں گے۔ مگر جب درخت اور پتھر چلانے لگیں تو یہ انسانوں کے لئے موت کا وقت ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کے بعد عمل کی مہلت ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد دو ہی چیزیں باقی رہتی ہیں یا جنت یا جہنم۔ یہ امتحان کی کاپی چھین لینے کا وقت ہوتا ہے نہ کہ پرچہ حل کرنے کا۔

سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے کہ پچھلے لوگوں کے حالات میں تمہارے لئے سبق ہے اور قرآن کی صورت میں ایک مکمل نصیحت نامہ تمہارے لئے بھیج دیا گیا ہے۔ کھلا کھلا حق آجانے کے بعد بھی جو اس سے اعراض کرے، قیامت کے دن اس کو بہت برا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔

اس دن جب کہ صور پھونکا جائے گا اور خدا تمام مجرموں کو اس طرح گھیر لائے گا کہ ان کی آنکھیں خوف دہشت سے پتھرائی ہوئی ہوں گی۔ اس وقت دنیا کی زندگی ان کو اتنی حقیر اور مختصر معلوم ہوگی کہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے: "دنیا میں مشکل سے ہم نے دس دن گزارے ہوں گے" پھر کوئی بولے گا: "نہیں، تمہاری دنیا کی زندگی تو بس ایک دن کی زندگی تھی۔"

جب قیامت آئے گی تو پہاڑوں کو خدا دھول بنا کر اڑا دے گا اور ساری زمین کو ایسا چٹیل میدان بنا دے گا کہ اس میں کہیں کوئی اونچ نیچ دکھائی نہ دے گی۔ اس دن تمام انسان پکارنے والے کی پکار پر سیدھے چلے آئیں گے۔ کوئی کسی قسم کی اکڑ نہ دکھا سکے گا۔ تمام آوازیں خدا کے آگے پست ہو جائیں گی۔ سارے لوگ خاموش ہوں گے۔ چلنے کی ہلکی پھسپھساہٹ کے سوا تم کوئی آواز نہ سنو گے۔ اس روز کوئی سفارش کسی کے لئے کارگر نہ ہوگی۔ تمام لوگوں کے سر اس حیّ و قیوم کے آگے جھک جائیں گے۔

اس دن وہ شخص ناکام و نامراد ہوگا جو کسی ظلم کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔ اور جو خدا پر ایمان رکھنے والا ہو اور نیک عمل کرے، اس کے لئے کسی قسم کا کوئی خطرہ اس دن نہ ہوگا۔

ورنہ ہم اپنی قیمت کھو دیں گے

مسلمان خدا کی طرف سے اس ذمہ داری پر مقرر کئے گئے ہیں کہ وہ تمام اہل عالم کو یہ بتا دیں کہ ان کا رب ان سے حساب لینے والا ہے۔ اس تقرر نے ان کے حال اور مستقبل کو اس کار خاص کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ خدا کی نظر میں ان کی قیمت صرف اس وقت ہے جب کہ وہ خدائی پیغام رسانی کی اس خدمت کو انجام دیں۔ اگر وہ اس کے لئے نہ اٹھیں تو خدا کے نزدیک وہ اپنی قیمت کھو دیں گے۔

اس ذمہ داری کو چھوڑنے کے بعد کوئی بھی دوسرا عمل ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد خدا ان کو ان کے دشمنوں کے حوالے کر دے گا۔ ان کے اوپر دوسری قومیں غلبہ حاصل کریں گی۔ حتیٰ کہ دوسری بنیادوں پر اٹھائی ہوئی ان کی اسلامی تحریکوں پر بھی رولر چلا دیا جائے گا۔ خود ساختہ خیالات کی بنا پر اگرچہ وہ خوش فہمیوں میں مبتلا رہیں گے۔ مگر حالات کی بے رحم زبان چیخ رہی ہوگی کہ ان کا خدا ان کو چھوڑ چکا ہے۔

اقوام عالم کے سامنے اللہ کے دین کی گواہی دینے کے لئے اگر مسلمان نہیں اٹھتے تو ان کی کوئی قیمت خدا کے نزدیک نہیں ہے، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں ——

یہود کی تاریخ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی ہے

ابولہب کو یہ بات غیر اہم نظر آئی

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت ملی اور خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ لوگوں کے درمیان حقیقت کا اعلان کر دو تو آپ صفا کی پہاڑی پر چڑھے، اس زمانہ میں کسی بڑے خطرے کے اعلان کے لئے مکہ میں اسی بلند مقام کو استعمال کیا جاتا تھا۔ آپ نے پکار کر لوگوں کو جمع کیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے ایک مختصر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا:

"لوگو آگاہ ہو جاؤ، جس طرح تم سوتے ہو، اسی طرح تم مروگے اور جس طرح تم جاگتے ہو اسی طرح دوبارہ زندہ کئے جاؤگے۔ اس کے بعد یا ہمیشہ کے لئے جنت ہے یا ہمیشہ کے لئے جہنم"

یہ آخرت کی حقیقت کا اعلان تھا جو دنیا پرست لوگوں کو سنایا جا رہا تھا۔ مگر آپ کے چچا ابولہب کی دنیوی فکر کے لئے یہ پیغام آخرت اتنا غیر مانوس ثابت ہوا کہ وہ فوراً مجلس سے اٹھ گیا اور چلا کر کہا:

تبالك سائر اليوم الهذا جمعتنا

تمہارا برا ہو۔ کیا تم نے یہی بات سنانے کے لئے ہم کو جمع کیا تھا۔

دین کو جب دنیوی سانچہ میں ڈھال کر پیش کیا جائے تو وہ بہت جلد لوگوں میں مقبول ہو جاتا ہے۔

دین

آخرت طلبی کا

نام ہے

مہاتما گاندھی بھی سوشلزم کو مانتے تھے، اور کمیونسٹ بھی۔ دونوں میں فرق یہ تھا کہ گاندھی جی اختیاری سوشلزم کے قائل تھے اور کمیونسٹ جبری سوشلزم کے۔ کمیونسٹوں کا سوشلزم عوام میں پھیل گیا۔ جب کہ گاندھی جی کے سوشلزم کو صرف چند ہی لوگ قبول کر سکے۔ وجہ بالکل سادہ ہے: کمیونسٹوں کا نظریہ عوام کی فکری سطح سے قریب تھا۔ اس کے برعکس گاندھی جی کا نظریہ، نسبتاً زیادہ بہتر ہونے کے باوجود، عوام کے لئے ناقابل فہم تھا۔ اس کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے تھے جو سماجی مسائل پر زیادہ گہرائی کے ساتھ سوچتے ہوں۔

یہی صورت حال مذہب کے ساتھ بھی پیش آتی ہے۔ کوئی مذہبی تحریک عوام میں مقبول ہو رہی ہو تو اس کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ صداقت پر مبنی ہے۔ بالکل ممکن

Regd. No. D(D) 533
Regd. R.N. No. 28822/78

September 1978

Al-Risala Monthly

Jamiat Building, Qasimjan Street, DELHI-110006 (INDIA)

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسیٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی سے شائع کیا